معارف کا زرِ تعاون

ہندوستان میں　سالانہ　اسی روپے

فی شمارہ　سات روپے

پاکستان میں　سالانہ　دو سو روپے

دیگر ممالک میں　سالانہ　ہوائی ڈاک بیس پونڈ یا بتیس ڈالر

بحری ڈاک سات پونڈ یا گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ : حافظ محمد یحییٰ شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس۔ ایم۔ کالج۔ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

* سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
AZAMGARH

* رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اگر کسی مہینہ کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہئے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

* خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافہ کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

* معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائیگی۔ کمیشن ۲۵٪ ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہیے۔

جلد ۱۶۴　ماہ شعبان المعظم و رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۹۹ء　عدد ۶

فہرست مضامین

شذرات

بھارتیہ جنتا پارٹی زبانی چاہے جتنا بھی کہے کہ وہ مسلمانوں کی ہمدرد ہے مگر اس کے عمل سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، مسلم دشمنی اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے جب اسے اقتدار نہیں ملا تھا، اس وقت کے اس کے کرتوت لوگوں کے سامنے ہیں۔ بابری مسجد کے انہدام کو کون بھول سکتا ہے جس میں اس کے بڑے بڑے لیڈر جو آج اہم وزارتوں پر فائز ہیں شریک تھے، سات برس پہلے اسی دسمبر کے مہینے میں اس نے جو وار کیا اس کے کاری زخم سے خدا جانے مسلمان کب تک چیختے اور کراہتے رہیں گے اور اب جب کہ وہ مسندِ اقتدار پر متمکن ہے تو مسلمانوں کے ارتداد کا سامان اور ایسے اسباب مہیا کر رہی ہے، جن کے بعد بھلے ہی وہ نام کے مسلمان رہ جائیں، مگر اسلام و ایمان سے ان کا رشتہ منقطع، ان کی اصل شناخت ختم اور دینی و ایمانی غیرت و حمیت معدوم ہو جائے گی۔

اس منصوبے کی تکمیل کے لئے اس وقت دینی درسگاہوں اور عربی مدارس کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا ہے، جن کو مسلمان اپنا قیمتی اثاثہ اور متاع گراں ارز سمجھتے ہیں، ہندوستان میں اسلام کے تحفظ میں مدارس کے کارنامے گوناگوں اور عظیم الشان ہیں۔ اس لئے بھارتیہ جنتا پارٹی کے لئے ان کا وجود ناقابل برداشت ہے، اس کے لیڈران پرسکون و پرامن درسگاہوں کو دہشت گردی اور تشدد کا مرکز، فتنہ و شورش کی آماجگاہ اور غداروں کی پناہ گاہ خیال کرتے ہیں، بعض ممبروں کے سوالات کے جواب میں راجیہ سبھا میں وزیرِ داخلہ نے تشویش ظاہر کی ہے کہ گزشتہ چند برسوں میں ہند و نیپال سرحد پر مدرسوں اور تربیتی اسکولوں کی تعداد بڑھی ہے، ان مدارس اور آئی۔ ایس۔ آئی میں یقینی طور پر رابطہ ہے"۔ آئی۔ ایس۔ آئی کی سرگرمیاں تو واقعی بڑھی ہیں، لیکن اپنی ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لئے مدارس کو ان کا ذمہ دار قرار دینا مدارس ہی نہیں تمام مسلمانوں کی توہین اور ان کی وفاداری پر شک و شبہ ظاہر کرنا ہے۔

حکومت جن دینی مدارس سے اتنی خائف ہے اور جنھیں وہ آئی۔ ایس۔ آئی کی سرگرمیوں کا مرکز سمجھتی ہے، اگر اس کے ذمہ داروں کو موقع ہو تو وہ مدارس کے ماحول، ان کے نصاب تعلیم اور ان میں پڑھائی

جانے والی کتابوں کا جائزہ لے اور خود ہی فیصلہ کرے کہ جہاں خدا ترسی، اخلاق و روحانیت کا درس دیا جاتا ہو وہاں تشدد، دہشت، شر و فساد اور فتنہ و شورش کا شائبہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ان میں نیک، صلح جو، امن پسند، نوع انسانی کے ہمدرد اور ملک و سماج کے لئے کار آمد افراد تیار ہوں گے یا خون خوار، جنگ جو، درندہ صفت، ہنگامہ و فساد برپا کرنے اور قومی املاک کو تباہ و برباد کرنے والے پیدا ہوں گے۔ جس طرح کی بے ہودگیوں کا مظاہرہ آئے دن کالجوں، یونیورسٹیوں اور حکومت کے زیرِ انتظام چلنے والے مدارس میں ہوتا ہے، اس سے ان عربی مدارس کا دور قریب کا بھی تعلق نہیں، ان کے متعلق وزیرِ داخلہ کا یہ بیان بالکل غیر ذمہ دارانہ ہے، آج ہر سطح پر ملک میں جو مفاسد اور خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کی اصلاح دینی و اخلاقی تعلیم ہی سے ہو سکتی ہے، یہ مدارس حکومت پر کسی طرح کا بوجھ بنے بغیر اپنے محدود وسائل و ذرائع کے باوجود ملک کے ایک بڑے طبقے کی تعلیمی ضرورت پوری کرتے ہیں، اس کے لئے حکومت کو ان کا ممنون ہونا چاہئے نہ کہ وزیرِ داخلہ ایسے غیر ذمہ دارانہ بیان دے کر ان میں بے اطمینانی پیدا کریں۔

مرکزی حکومت کی وزارتِ تعلیم نے اعلان کیا ہے کہ مدارس کو جدید بنانے اور ان کا تعلیمی معیار بلند کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دینا چاہتی ہے، اسے ملک میں رائج تعلیم کے معیار کے مساوی مسلم نوجوانوں کو بھی تعلیم دلانے اور تعلیم سے فراغت کے بعد روٹی روزی کی مشکلات دور کرنے سے دلچسپی ہے، اس کے خیال میں حکومتی عہدوں کے لائق مدارس کے تعلیم یافتہ مسلم نوجوان نہیں ہوتے، ہم کو بھی تسلیم ہے کہ ملک کو سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقیوں سے جوڑنے کی جو کوششیں جدید تعلیم گاہوں اور حکومت کے زیرِ انتظام چلنے والے اداروں میں ہو رہی ہیں۔ دینی مدارس میں ان کی طرف سے بے توجہی ہے۔ اس میں ان کے وسائل و ذرائع کی کمی کا بھی دخل ہے اور بعض بعض مدارس واقعی اپنے جمود کی وجہ سے کسی تبدیلی کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔

لیکن بعض بعض اپنی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر سائنس اور ٹکنالوجی کی برکتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ حکومت کا جو رویہ مدارس کے ساتھ ہے اس کے بعد وہ اس سبز باغ اور دام ہم رنگ زمیں میں کیسے پھنسیں؟ اتر پردیش حکومت نے بھی پروفیسر یونس نگرامی کی سربراہی میں اسی مقصد سے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے، اس کے ارکان میں ندوہ اور دیوبند کے لوگ بھی ہوں گے، یہ خوش آیند بات ہے مگر ابھی اس کے متعلق کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔

ایک طرف تو حکومت مدارس کی جدید کاری اور ان کے وابستگان کی روٹی روزی کے لئے اتنی فکر مند ہے لیکن دوسری طرف اس کا یہ فیصلہ بھی ہے کہ جن مدارس کے اساتذہ و ملازمین کو وہ تنخواہیں دیتی ہے، انہیں پنشن اور دوسری سہولتیں نہیں دے گی۔ وہ اردو دوستی کا بھی دعویٰ کرتی ہے لیکن سرکاری خرچ میں کٹوتی کا بہانہ بنا کر بی۔ جے۔ پی کی اتر پردیش حکومت نے پریس انفارمیشن بیورو کے دفتر میں اردو اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر کا عہدہ ختم کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ پریس انفارمیشن بیورو میں دوسری زبانوں کے عہدیدار بھی تو ہیں، لیکن متعصبانہ اور سوتیلا برتاؤ اردو ہی کے ساتھ کیوں؟ اتر پردیش اردو اکیڈمی اردو طلبہ و طالبات کو عرصے سے وظائف نہیں دے رہی ہے، کتابت اسکول کے امتحان، اس کے نتائج اور وظائف میں بھی تاخیر کا عمل جاری ہے۔ سرکاری خرچ میں کٹوتی کرنی ہے تو وزیروں کی تعداد کم کی جاسکتی ہے، ان کے اور ممبروں کے الاؤنس، بھتے اور دوسری سہولتوں میں تخفیف کی جاسکتی ہے۔ کٹوتی کی ساری زد اردو ہی پر کیوں ہے۔

ع برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

مقالات

سورج کی موت اور قیامت
قرآن، حدیث اور سائنس کی نظر میں

(۲)

از مولانا محمد شہاب الدین ندوی *

اسلام ایک فطری اور سائنٹفک مذہب اس بحث سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ چاند، سورج اور ستارے سب کے سب فانی چیزیں ہیں جن کو بقا و دوام حاصل نہیں ہے۔ لہذا چاند ستاروں کی عبادت کرنا درست نہیں ہو سکتا عبادت و بندگی تو اس کی کی جاتی ہے جو زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہو، مگر دنیائے انسانیت کی یہ بہت بڑی بد قسمتی ہے کہ غلط قیاس کی وجہ سے چاند سورج کو معبود و مسجود بنا لیا گیا۔ چونکہ ان دونوں سے دنیا والوں کو روشنی اور حرارت ملتی ہے اس لئے بعض قوموں نے انہیں معبودیت کے درجے پر فائز کر دیا۔ چنانچہ ایک حدیث کے مطابق جو امام ابن سیرینؒ سے مروی ہے، مذکور ہے کہ (غلط) قیاس سے کام لینے والا اولین فرد ابلیس تھا اور آفتاب و ماہتاب کی پرستش بھی (غلط) قیاسات ہی کی بنیاد پر کی گئی (اول من قاس ابلیس وما عبدت الشمس والقمر الا بالمقاییس)۔ اسی لئے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عبادت کسی مخلوق کی کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ عبادت تو اس کی کی جاتی ہے جو تمام مخلوقات کا خالق اور رب ہو۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

---

* جنرل سکریٹری فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ و چیرمین، دار الشریعہ، بنگلور۔

وَمِنْ اٰیٰتِہِ الَّیْلُ وَالنَّھَارُ	رات دن اور آفتاب و ماہتاب اس کی
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ، لَاتَسْجُدُوْا	نشانیوں میں سے ہیں، تم سورج کو سجدہ
لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا	نہ کرو اور نہ چاند کو (بلکہ) اللہ کو سجدہ
لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ اِنْ کُنْتُمْ	کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اگر تم اسی کی
اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ (حٰم سجدہ : ۳۷)	عبادت کرتے ہو۔

اور آج علم و تحقیق کے اجالے میں یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو چکی ہے کہ چاند سورج خالق نہیں مخلوق، معبود نہیں عابد اور متبوع نہیں بلکہ ادنیٰ درجے کے تابعدار ہیں، جو بہت جلد غائب ہونے والے ہیں۔ لہذا جن لوگوں نے ان کو معبود و مسجود بنا کر ان کی پرستش کی انہوں نے ایک فعل عبث ہی نہیں کیا بلکہ مخلوق کو معبود کے درجے میں رکھتے ہوئے خدا کی خدائی میں انہیں شریک کر دیا، جو خلاق عالم کے نزدیک ایک ناقابلِ معافی جرم اور اسے غصہ دلانے والی بات ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے :

اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ	تم اور تمہارے وہ معبود جو اللہ کے سوا ہیں
حَصَبُ جَھَنَّمَ اَنْتُمْ لَھَا وَارِدُوْنَ	وہ سب یقیناً جہنم کا ایندھن ہیں تم اس میں
(انبیاء : ۹۸)	داخل ہو کے رہوگے۔

ظاہر ہے کہ مشرکین کا یہ انجام فطری اور سائنٹفک نقطۂ نظر سے بالکل مطابق واقعہ ہے۔ دیکھئے اسلام کے احکام اور اس کی عقلی حکمتیں اور بصیرتیں کہ وہ کس قدر گہرے تفکر و تعقل پر مبنی ہیں۔ کیا ایسا پُر از حکمت کلام جو اس کائنات کے اسرار سربستہ کی نقاب کشائی کرنے والا ہو، کوئی انسان پیش کر سکتا ہے؟ اسلامی تعلیمات میں قدم قدم پر عقل و دانش کا مظاہرہ نظر آتا ہے جو نظامِ فطرت کے عین مطابق ہے۔ لہذا اس کے من جانب اللہ ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

حرکیات حرارت کا دوسرا قانون

دنیائے سماوات میں سورج اختتام کائنات کا شاہد

عدل ہے جو "انجام حیات" کی گواہی دے رہا ہے اور اس گواہی کو جھٹلانے والی کوئی چیز اس عالم آب و گل میں موجود نہیں ہے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ لَیْسَ لِوَقْعَتِھَا	جب واقع ہونے والی چیز (قیامت)
کَاذِبَۃٌ (واقعہ : ۱-۲)	واقع ہو جائے گی جس کے وقوع کو جھٹلانے والی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

اختتام کائنات کے سلسلے میں ایک واقعہ تو وہ ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے اور اس ضمن میں دوسرا واقعہ وہ ہے جسے "حرکیات حرارت کا دوسرا قانون" (سکنڈ لا آف تھرموڈائنامکس) کہا جاتا ہے۔ چنانچہ طبیعاتی نقطۂ نظر سے اس قانون کی رو سے بھی کائنات کا اختتام یقینی نظر آتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس رفتار سے ہماری کائنات میں حرارت کی تقسیم ہو رہی ہے اس کے نتیجے میں ایک دن ایسا ضرور آنے والا ہے جب کہ اس کائنات کے تمام مظاہر یکساں درجہ حرارت پر پہنچ جائیں گے۔ اس وقت کائنات کی کوئی بھی چیز نہ گرم رہے گی اور نہ سرد اور یہ درجۂ حرارت اس قدر کم ہوگا کہ جاندار اشیاء کا زندہ رہنا ممکن نہ رہے گا۔

چنانچہ اس سلسلے میں مشہور سائنس داں سر جیمز جینس تحریر کرتا ہے: "طبیعیات کا وہ اصول جو علم حرکیات حرارت کے اصول ثانی کے نام سے مشہور ہے یہی پیش گوئی کرتا ہے کہ کائنات کا صرف ایک ہی انجام ہو سکتا ہے اور وہ ہے قلت حرارت کی موت۔ یعنی ہوگا یہ کہ تمام کائنات میں حرارت کی تقسیم یکساں ہو جائے گی اور ہر جگہ یکساں درجۂ حرارت پیدا ہو جائے گا، جو اس قدر کم ہوگا کہ حیات کا زندہ رہنا ناممکن ہو جائے گا"[۲۵]

ستارے امن کے پیامبر

اس بحث سے معلوم ہوا کہ اس کائنات میں ایک ہمہ داں (سب کچھ جاننے والی) اور ایک زبردست قوت والی ہستی ضرور موجود ہے جس کے اشاروں پر

یہ کائنات وجود میں آئی ہے اور اس کے ایک اشارے پر یہ فنا ہو جائے گی۔ چاند، سورج، ستارے اور کہکشائیں سب کے سب اسی کے حکم کے تابع اور فرماں بردار ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِہٖ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ، تَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ (اعراف: ۵۴)

تمہارا رب یقیناً اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن (چھ مدارج) میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔ وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے جو اس کے پیچھے تیزی سے آجاتی ہے اور سورج، چاند اور ستارے (سب کے سب) اس کے حکم کے تابع ہیں۔ جان لو کہ (تمام مخلوقات کو) پیدا کرنا اور ان پر حکم چلانا اسی کا کام ہے اللہ بڑی برکت والا ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔

وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِہٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (نحل: ۱۲)

اور اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے اور اسی کے حکم سے ستارے بھی زیر قابو ہیں ان مظاہر میں سمجھنے والوں کے لئے (بہت سی) نشانیاں (دلائل ربوبیت) موجود ہیں۔

اس لحاظ سے چاند ستارے اور تمام اجرام سماوی حکم الٰہی کے منتظر ہیں۔ جیسے ہی حکم ہوگا یہ سب کے سب فنا ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ستارے آسمان کے لیے امن کی نشانی ہیں۔

جب وہ نیست و نابود ہو جائیں گے تو وقت موعود آجائے گا۔

النجوم امنۃ السماء فاذا ذھبت النجوم اتی السماء ماتوعد[۳]

کسوف وخسوف اور حکمت نبویؐ

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ کسوف وخسوف (سورج گرہن اور چاند گرہن) کے جو مناظر ہر سال ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں وہ ایک حیثیت سے ہمارے لئے ایک تنبیہ کا درجہ رکھتے ہیں کہ چاند اور سورج کی روشنی کچھ لمحوں یا کچھ گھنٹوں کے لئے ہماری نگاہوں سے جو غائب ہو جاتی ہے، وہ قیامت کی یاد دلانے کی غرض سے ہے تاکہ انسان غفلت کی نیند سے بیدار ہو اور اللہ کی طرف رجوع و انابت کا راستہ اختیار کرے۔ اسی بنا پر رسول برحق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند اور سورج کو اللہ کی نشانیاں قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

ان الشمس والقمر لاینکسفان لموت احد من الناس ولکنھما آیتان من آیات اللہ فاذا رأیتموھما فقوموا فصلوا[۴]

سورج اور چاند کو کسی شخص کی موت کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ لیکن یہ دونوں مظاہر اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جب تم انہیں (سورج گرہن اور چاند گرہن) دیکھو تو نماز پڑھو۔

قدیم زمانے میں لوگوں کا یہ غلط عقیدہ تھا کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کسی بڑے آدمی کی موت کے باعث واقع ہوتے ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تردید فرمائی۔ لیکن اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسوف وخسوف کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیا؟ تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پچھلے صفحات میں مذکورہ حقائق کے مطابق ہمارا سورج کسی بھی وقت اچانک ایک "سرخ دیو" بن کر پھٹ سکتا ہے۔ چنانچہ جارج گیمو کے بیان کے

مطابق "اندازہ لگایا گیا ہے ہماری کائنات میں اب تک چالیس[۴] ارب ستارے پھٹ چکے ہیں"[۵] لہذا ہوسکتا ہے کہ سورج گرہن کے موقع پر اچانک اس کی موت اور وقوعِ قیامت کا اعلان کر دیا جائے۔ غالباً یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "آخری وقت" میں رجوع الی اللہ اور توبہ و استغفار کی غرض سے نماز اور دعا کی دعوت دی ہو تاکہ اہلِ اسلام کا خاتمہ بالخیر ہوسکے۔

واضح رہے اس موقع پر راقم السطور نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ بعض احادیث کی روشنی میں ایک قوی امکان نظر آتا ہے۔ چنانچہ بخاری کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب سورج گرہن واقع ہوا تو آپ فوراً نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور حالت یہ تھی کہ آپ اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے اور یہ کیفیت اس بنا پر تھی کہ آپ پر شاید گھبراہٹ طاری ہوگئی تھی اور پھر آپ نے ہمارے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی یہاں تک کہ سورج گرہن زائل ہوگیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کی موت کی وجہ سے گہناتے نہیں۔ جب تم انہیں دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو یہاں تک کہ وہ ختم ہوجائے۔ یہ حدیث بخاری میں حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے[۶]۔

بخاری ہی کی ایک اور حدیث کے مطابق مخبر صادق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اس مظہرِ قدرت کو دیکھو تو اللہ سے دعا مانگو، تکبیر کہو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ پھر فرمایا کہ اے امت محمد! تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اللہ سے زیادہ غیرت مند ہو، جب کہ اس کا کوئی بندہ یا اس کی کوئی بندی زنا کرے۔ اے امت محمد! اللہ کی قسم اگر تم وہ باتیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنسو گے اور بہت روؤ گے[۷]۔

ایک اور حدیث کے مطابق مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانے کی غرض سے کسوف و خسوف کو وقوع میں لاتا ہے۔

ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا ینکسفان لموت احد ولکن اللہ

تعالیٰ یخوف بھما عبادہ[۸]۔

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ یہ دونوں مظاہر اللہ کی آیتوں (نشاناتِ ربوبیت) میں سے ہیں، جو کسی کی موت یا حیات کے باعث گہناتے نہیں۔ لہذا جب تم ان مظاہر کو دیکھو تو گھبراہٹ کے ساتھ نماز کے لئے دوڑ پڑو۔

قال: ھما آیتان من آیات اللہ لا یخسفان لموت احد ولا لحیاتہ فاذا رأیتموھما فافزعوا الی الصلاۃ[۹]۔

واضح رہے اس موقع پر لفظ "فزع" لایا گیا ہے جس کے اصل معنی خوف کے ہیں۔ اس موقع پر اس سے مراد یہ ہے کہ تم ایسے وقت نماز میں پناہ لو اور اللہ سے دعا مانگو تاکہ یہ حادثہ بخیر وخوبی ٹل جائے۔ (فافزعوا الی الصلوٰۃ) ای الجاؤا الیھا، واستعینوا بھا علی دفع الامر الحادث[۱۰]۔

ان تمام احادیث سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کسوف وخسوف میں کوئی بہت بڑا راز پوشیدہ ہے اور یہ مظاہر وقوعِ قیامت کی واضح علامتوں میں سے ہیں۔ لہذا ہوسکتا ہے کہ قیامت الٰہی ایسے مواقع پر واقع ہوجائے اور یہ بات اس لحاظ سے بھی بہت ممکن نظر آتی ہے کہ جب چاند، سورج اور زمین تینوں ایک لائن میں آجائیں تو اس وقت سورج اچانک ایک "سرخ دیو"[۱۱] بن کر دھماکے کے ساتھ پھٹ جائے۔ جس کے نتیجے میں وہ "سفید بونا"[۱۲] بن کر ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ اس طرح غالباً اس کی قوت "جذب وکشش" ختم ہوجائے گی اور پھر یہ تینوں اجرام آپس میں ٹکرا کر ختم ہوجائیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسے موقع پر ہمارے نظامِ شمسی کے دیگر سیارے بھی ایک ہی لائن میں ہوں (جیسا کہ بعض مواقع پر ہوتا ہے) اور سب کے سب یکبارگی ٹکرا کر فنا ہوجائیں۔ اس قسم کے امکانات کو سمجھنا جدید فلکیاتی نظریات کی رو سے بہت آسان ہوگیا ہے لہذا قرآن اور حدیث کے حقائق تحقیقاتِ جدیدہ کی روشنی میں کھل کھل کر سامنے آرہے ہیں جو ہمارے ایمان میں اضافے کا باعث ہیں۔ اسی لئے ارشادِ باری ہے کہ

قرآن عظیم نہ صرف "ہر چیز کی وضاحت کرنے والا" اور اہل ایمان کو خوش خبری سنانے والا ہے بلکہ وہ ان کے قدموں کو جمانے والا بھی ہے، تاکہ دنیوی افکار و حوادث ان کے پائے ثبات کو لرزا نہ سکیں۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (نحل: ۸۹)

ہم نے آپ پر ایک ایسی کتاب اتاری ہے جو ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والی ہے اور وہ مسلمانوں کے لئے ہدایت، رحمت اور خوش خبری ہے۔

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ۔ (نحل: ۱۰۲)

کہہ دو کہ اس کلام کو روح القدس نے تیرے رب کی جانب سے حقانیت کے ساتھ اتارا ہے، تاکہ وہ ایمان والوں کے قدموں کو جمادے اور وہ اہل اسلام کے لئے ہدایت اور خوش خبری ہے۔

کائنات کی منصوبہ بندی

اس بحث سے بہ خوبی واضح ہوگیا کہ یہ پوری کائنات ایک منصوبہ بند عمل ہے نہ کہ کوئی الل ٹپ وجود اور اس کائنات کی کوئی بھی چیز اس حقیقت عظمیٰ کی تکذیب کرنے والی موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس جہان آب و خاک کے تمام مظاہر اسی کی شہادت دے رہے ہیں اور سب کا ایک ہی "راگ" ہے کہ یہاں کی ہر چیز آنی جانی ہے اور چاند ستارے بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک ہمہ گیر "قانون قدرت" ہے۔ چنانچہ اس خدائی حکمت اور منصوبہ بندی کا اظہار حسب ذیل آیات میں کیا گیا ہے:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (فرقان: ۲)

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک اندازہ (منصوبہ) مقرر کیا۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (قمر: ۴۹-۵۰)

ہم نے ہر چیز یقیناً ایک اندازے (منصوبے) کے ساتھ پیدا کی ہے اور (کسی چیز کے وقوع کے بارے میں) ہمارا حکم بس ایک بات ہے (کہ ہوجا اور وہ چیز ہوجاتی ہے) جیسا کہ پلک کا جھپکنا۔

چنانچہ اس کائنات میں تمام واقعات اسی خدائی پلان اور منصوبہ بندی کے تحت رونما ہو رہے ہیں۔ اسی لئے فرمان خداوندی ہے کہ میں نے یہ کائنات کھیل کود میں یا الل ٹپ پیدا نہیں کی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ۔ (انبیاء: ۱۶)

اور ہم نے زمین و آسمان اور ان دونوں کے درمیان مظاہر کو کھیل کود میں پیدا نہیں کیا۔

بہر حال اس خدائی منصوبہ بندی کے تمام "اصول و ضوابط" قرآن اور نظام کائنات کی تطبیق کے ذریعہ "دو اور دو چار" کی طرح بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ جیسا کہ حسب ذیل آیت کریمہ اس خدائی ضابطے کا اعلان کر رہی ہے:

اللَّهُ الَّذِي أَنزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ۔ (شوریٰ: ۱۷)

اللہ وہی ہے جس نے کتاب اور میزان دونوں حقانیت (مطابقت) کے ساتھ اتارا ہے اور تجھے کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب ہو۔

اس موقع پر میزان سے مراد یہ پوری کائنات ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس کائنات کی ہر چیز اپنے نفیس ترین طبیعی ضوابط کی رو سے "میزان" کا ایک نمونہ ہے۔ یعنی اس جہان رنگ و بو کی ہر چیز بالکل "نپے تلے" انداز میں رواں دواں ہے اور اس کے اصولوں میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہو رہی ہے۔

چاہے وہ ایک ننھا سا ایٹم ہو یا ایک مکمل نظام شمسی ۔ تمام حیوانات و نباتات اور جمادات و سماوات سب کے سب طبعی ضوابط کے پابند ہیں اور پھر یہ تمام "اجزائے کائنات" مل کر ایک عظیم اور منظم عمل کی نشاندہی کر رہے ہیں، جس کی تعبیر کے لئے "میزان" سے بڑھ کر لفظ نہیں ہو سکتا ۔ اگر اس نقطۂ نظر سے مظاہر کائنات کی مفصل شرح و تفسیر کی جائے تو اس کے لئے دفتروں کے دفتر بھی ناکافی ہوں گے ۔ میزان کے اس مفہوم کی تائید حسب ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے، جن کے مطابق خلاق عالم نے زمین سے لے کر آسمان تک تمام مظاہر فطرت کو ایک "میزانی ضابطے" کا پابند بنا رکھا ہے :

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ	سورج اور چاند ایک حساب سے چل رہے
وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ وَالسَّمَاءَ	ہیں ۔ نجم و شجر سربسجود ہیں (چنانچہ) اللہ نے
رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ أَلَّا تَطْغَوْا	آسمان کو اونچا اٹھایا اور (زمین سے آسمان
فِي الْمِيزَانِ (رحمان : ۵ - ۸)	تک) میزان رکھ دی (پھر تمام مظاہر کائنات
	کو حکم دیا کہ) تم اس میزان سے تجاوز نہ کرو ۔

میزان کیا ہے ؟

ان آیات کریمہ میں تین بنیادی حقائق بیان کئے گئے ہیں :

۱ - تمام مظاہر کائنات قانونِ الٰہی کے پابند ہیں ۔ چنانچہ اس مقصد کی تعبیر کے لئے آفتاب و ماہتاب کے ایک حساب سے چلنے اور نجم و شجر کی طبعی اطاعت و فرماں برداری کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے ۔ مفسرین نے لفظ "نجم" کے دو معنی بیان کئے ہیں : ایک بغیر تنے والی بیل اور دوسرے آسمانی ستارہ[13] غرض اس موقع پر بعض آسمانی اور بعض زمینی مظاہر کا تذکرہ کر کے گویا یہ اشارہ کر دیا کہ زمین سے آسمان تک تمام مظاہر اسی طرح ایک مقررہ قانون کی پابندی کرتے ہوئے گویا کہ اللہ کو سجدہ کر رہے ہیں ۔ یعنی طبعی اعتبار سے اس کی اطاعت و فرماں برداری کر رہے ہیں، اس کی حکم عدولی نہیں کر سکتے ۔

اس موقع پر درختوں کے سجدہ کرنے کا مفہوم کیا ہے ؟ تو اس کی تاویل دو طرح سے کی گئی ہے :

(الف) یہ سجدہ انقیادی اعتبار سے ہے (وسجودهما لله فيما خلقا له)[14] (ب) درختوں کے سائے صبح شام سجدہ ریز رہتے ہیں (واما يسجد ان فانه غني به سجود ظلهما)[15]

اس موقع پر علامہ ابن جریرؒ نے اپنے اس قول کی تائید میں حسب ذیل آیت پیش کی ہے :

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ	زمین اور آسمانوں میں جو کوئی بھی ہے و
وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلَالُهُمْ	چار و ناچار اللہ ہی کے لئے سجدہ ریز ہے
بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ (رعد : ۱۵)	اور صبح و شام ان کے سائے بھی (سربسجود ہیں)

اسی طرح حسب ذیل آیت کریمہ اس حقیقت پر دلیل ناطق ہے کہ تمام موجودات عالم اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر رہے ہیں ۔ یعنی طبعی ضوابط کی رو سے اس کی اطاعت و فرماں برداری میں لگے ہوئے ہیں :

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي	اے مخاطب ! کیا تو نے مشاہدہ نہیں کیا کہ
السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ	آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ	اللہ ہی کو سجدہ کر رہا ہے اور سورج، چاند،
وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ	ستارے پہاڑ، درخت چوپائے اور بہت
وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ (حج : ۱۸)	سے لوگ بھی (اس کو سجدہ کر رہے ہیں؟)

اس اعتبار سے اس کائنات کی کوئی بھی شے خدائی حدود و ضوابط سے آزاد نہیں ہے کہ وہ جو چاہے کرے ۔ بلکہ سب کے سب ایک ہمہ گیر قانون اور نظام میں جکڑے ہوئے ہیں ۔

واضح رہے لفظ "سجود" کے اصل معنی لغت کی رو سے خود سپردگی اور اطاعت کے ہیں ۔ (اصل السجود الاستسلام والانقياد لله عزوجل)[16]

۲ - خالق کائنات نے آسمان کو اونچا کر کے ایک "میزان" رکھ دی ہے ۔ یعنی زمین سے آسمان تک ایک "میزانی نظام" قائم کر دیا ہے ۔ چنانچہ جمادات کا ایک نظام ہے، نباتات و حیوانات کا اپنا

ایک الگ نظام ہے اور سماوات یا اجرام سماوی کا ایک منفرد نظام ہے۔ اس طرح سب کے سب اپنے اپنے نظاموں کی پابندی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان نظاموں کے تفصیلی مطالعے کے لئے کئی ضخیم جلدیں درکار ہوں گی لیکن پھر بھی ان کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ انسانی علم نہایت درجہ ناقص ہے، اگرچہ اس نے طبیعی و حیاتیاتی علوم میں بے انتہا ترقی کر لی ہے اور ایک ننھے سے ایٹم کا سینہ تک چیر کر اسرار و معارف کی ایک دنیا دریافت کر لی ہے۔ غرض ارض و سما، آفتاب و ماہتاب، دریا و پہاڑ، حجر و شجر، مرغ و ماہی اور حیوان و انسان سب کے سب ایک متعین و محکم نظام اور قانونِ ربوبیت میں بندھے ہوئے ہیں۔ میزان سے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے تین اقوال ہیں:

(۱) زیادہ تر لوگوں کا قول ہے کہ اس سے مراد "عدل" ہے (۲) اس سے مراد ترازو ہے (یعنی تولنے والی شے (۳) اس سے مراد قرآن ہے۔[۱۷]

راقم السطور نے اوپر جو تشریح کی ہے وہ پہلے قول کے مطابق ہے یعنی تمام موجودات عالم اپنے طبیعی نظاموں کے ذریعہ "عدل" کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ مگر میں نے جو مفہوم بیان کیا ہے وہ وسیع تر معنی پر دلالت کرتا ہے۔ جب کہ قدیم مفسرین کا مفہوم ذرا محدود ہے۔ چنانچہ قدیم مفسرین میں سے حضرت مجاہدؒ اور حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں عدل قائم کر کے اس پر چلنے کا حکم دیا ہے۔ ای وضع فی الارض العدل الذی امر بہ۔[۱۸]

اور علامہ بیضاویؒ نے اس مفہوم کی تشریح اس طرح کی ہے کہ میزان سے مراد "عدل" ہے، جس کو اس نے ہر ذی استعداد اور ہر حق دار کو اس کا حق بافراط عطا کیا جس کے باعث اس عالم کا معاملہ منظم اور درست ہو گیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "عدل ہی کے ذریعہ ارض و سماوات قائم ہیں"۔

(ووضع المیزان) العدل بان وفر علی کل مستعد مستحقہ و فی کل ذی حق

حقہ حتی انتظم امر العالم واستقام کما قال علیہ السلام بالعدل قامت السماوات والارض۔[۱۹]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تشریح وسیع مفہوم پر دلالت کر رہی ہے اور اس میں زمین و آسمان میں موجود تمام مظاہر آ سکتے ہیں اور اس اعتبار سے یہ قرآنی لفظ میزان کی صحیح تفسیر ہے۔

۳۔ اور اس سلسلے میں تیسری حقیقت یہ ہے کہ تمام مظاہر فطرت کو حکم دیا گیا ہے کہ کوئی بھی اس میزان سے تجاوز نہ کرے۔ یعنی خلاق عالم نے جس چیز کے لئے جو ضابطہ مقرر کر دیا ہے اس سے وہ تجاوز نہ کرے۔ چنانچہ زجاج سے منقول ہے کہ یہاں پر "اَلَّا تَطْغَوْا" کے معنی "لا تجاوزوا العدل" کے ہیں۔[۲۰] یعنی عدلِ الٰہی سے آگے نہ بڑھو اور علامہ ابن کثیرؒ نے (اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ) کی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارض و سماوات کو حقانیت اور عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ تاکہ تمام اشیاء حقانیت اور عدل کے ساتھ قائم رہیں۔ ای خلق السماوات والارض بالحق والعدل لتکون الاشیاء کلھا بالحق والعدل۔[۲۱]

چنانچہ آپ اس عالمِ رنگ و بو کی کسی بھی چیز کا طبیعی (فزیکل)، کیمیائی (کیمیکل)، حیاتیاتی (بیالوجیکل) عضویاتی (آرگینیکل)، تشریحی (اناٹومیکل) اور فعلیاتی (فزیالوجیکل) وغیرہ کسی بھی نقطۂ نظر سے جائزہ لیجیے، ہر چیز ایک نظام اور قانون کی پابند نظر آئے گی، جس سے وہ تجاوز نہیں کر رہی ہے۔ بالفاظ دیگر اشیائے عالم میں بے قاعدگی، انتشار یا لاقانونیت نہیں ہے۔ منظاہر کائنات کے یہ نفیس ترین اور بے داغ قواعد و ضوابط ایک زبردست قوت والی اور کرشمہ ساز ہستی کے وجود کی خبر دے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے ضابطے اور حکیمانہ قوانین ایک ضابطہ ساز ہستی کے وجود کے بغیر خود بخود یا آپ سے آپ ظاہر نہیں ہو سکتے۔ اس اعتبار سے وجودِ باری کا عقیدہ کسی تاریک دور کی بات یا کوئی خرافاتی چیز نہیں بلکہ علمی اور سائنٹفک نقطۂ نظر سے ایک روشن ترین حقیقت ہے اور اس حقیقت عظمیٰ کا انکار ایک غیر سائنٹفک بات بلکہ "تاریک خیالی"

کی علامت ہے۔

طبیعی و شرعی میزان

اوپر جو کچھ کہا گیا وہ طبیعیاتی نقطۂ نظر سے ان آیات کریمہ کی شرح و تفسیر تھی۔ پھر اس کے بعد والی آیت میں انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا — اور تم وزن کو انصاف کے ساتھ قائم کرو

تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ (رحمان: ۹) — اور میزان میں کمی و بیشی نہ کرو۔

ان آیات کا حاصل یہ ہے چونکہ پوری کائنات نقاش فطرت کے بنائے ہوئے ضابطوں کے مطابق چل رہی ہے، اس لئے نوع انسانی کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے اس رب مہربان کے شرعی و اخلاقی ضوابط کو قبول کرکے مظاہر کائنات کی ہم ساز و دم ساز بن جائے اور ان کے سُر میں اپنا سُر ملا کر بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہوجائے تاکہ پوری کائنات میں طبیعی و شرعی دونوں لحاظ سے یکسانیت پیدا ہوجائے۔ اس کے نتیجے میں طبیعی و شرعی دونوں "میزانیں" مل کر ایک عظیم الشان میزان بن جائے گی۔ چنانچہ انبیائے کرام کی سیرتیں "شرعی میزان" کا مکمل نمونہ ہوتی ہیں، اس لئے ان کی سیرتوں کو ایک آئیڈیل قرار دے کر ان کی اتباع کرنے کی تاکید اس طرح کی گئی ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا — ہم نے اپنے رسولوں کو یقیناً کھلی نشانیوں

مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ — کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب

النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید: ۲۵) — اور میزان اتار دی ہے۔ تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوجائیں۔

بہرحال سورۂ رحمان کی مذکورہ بالا آیات کے بعد پوری سورت میں **نوع انسانی کو "دعوتِ ربوبیت"** دیتے ہوئے **اللہ تعالیٰ کے احسانات** جتائے گئے ہیں جو بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے کا ایک عقلی اور مرغوب طریقہ ہے اور اس میں آخرت میں دئے جانے والے انعامات کا تذکرہ

بھی ہے۔ اس اعتبار سے اس میں "ترغیب" کا پہلو غالب ہے۔

میزان صغریٰ و میزان کبریٰ

حاصل بحث یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں دو قسم کی میزانیں نازل کی ہیں: ایک میزان کبریٰ اور دوسری میزان صغریٰ اور ان دونوں میں مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے نوع انسانی کو دعوت دی ہے کہ وہ میزان صغریٰ (انبیائے کرام کی سنت) کی پیروی کرتے ہوئے میزان کبریٰ سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کرلیں، جس کے نتیجے میں انسان کی عاقبت درست ہوجائے گی، اور وہ قیامت کے دن عذابِ الٰہی سے بچ جائے گا۔ ورنہ اپنے رب سے بغاوت اور سرتابی کے باعث اس کا انجام بُرا ہوگا۔ یہ ہے اسلام کی عقلی اور سائنٹفک دعوت، جو مدلل اور حکیمانہ و ناصحانہ انداز میں مذکور ہے۔ اس اعتبار سے اسلام کی دعوت اور اس کی تعلیمات دورِ وحشت کی یادگار نہیں بلکہ موجودہ علمی و عقلی دور کی ایک ضرورت ہے اور اس حقیقت افروز دعوت کا انکار انتہائی بدنصیبی کی علامت ہے۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ وہ ضد اور ہٹ دھرمی کا راستہ ترک کرکے اس غیبی آواز پر کان دھرے اور اپنی عاقبت کی فکر کرے۔

قرآن اور کائنات کی مطابقت

اوپر سورۂ شوریٰ کی حسب ذیل آیت پیش کی گئی تھی۔

اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ — اللہ وہی ہے جس نے کتاب اور میزان

وَالْمِیْزَانَ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ — دونوں کو حقانیت (حکمت و مطابقت)

قَرِیْبٌ (شوریٰ: ۱۷) — کے ساتھ اتارا ہے اور تجھے کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب ہی ہو۔

اس موقع پر "حق" کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ اس کائنات اور کتاب الٰہی کے ساتھ مطابقت پر دلالت کر رہا ہے۔ چنانچہ امام راغبؒ نے تحریر کیا ہے کہ لفظ "حق" کے اصل معنی "مطابقت" کے ہیں۔

(اصل الحق المطابقة والموافقة) اور اس کا استعمال چار طرح سے ہوتا ہے، جن میں سے ایک صورت یہ کہ کوئی ایجاد کردہ چیز حکمت کی مقتضی ہو۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے فعل کو تمام تر حق کہا جاتا ہے [۲۲]

اس اعتبار سے مقصود یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور کائنات دونوں کو حکمت اور ایک دوسرے کی مطابقت کے طور پر نازل کیا ہے اور اس کے بعد قیامت کے قریب ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان دونوں کے تقابل سے نہ صرف وقوع قیامت بلکہ اس کے قریب ہونے کے دلائل بھی منقح ہو کر سامنے آجاتے ہیں، جن میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہتا۔ یہی وہ راز خدائی ہے جس کی بنا پر ان دونوں کو ایک دوسرے کا مصدق و موید بنایا گیا ہے۔

اصول دین کا اثبات

خلاصہ یہ کہ قرآن اور کائنات کی مطابقت سے تمام اصولِ دین (دینی عقائد) کا اثبات عین الیقین اور حق الیقین کے طور پر ہو جاتا ہے۔ لہذا قرآنِ عظیم کو اصولِ دین کے اثبات کی غرض سے نظامِ کائنات کے مطابق بنایا گیا ہے نہ کہ اسے انکشافات جدیدہ کا "خبرنامہ" بنا دینا، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال خام ہے۔

بہرحال ان مباحث سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ مطالعۂ کائنات کے باعث خدا کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے اور یوم آخرت کا اثبات بھی اور اس کے ساتھ ہی کتاب الٰہی اور رسالت کی حقانیت اور دیگر تمام عقائد کا بھی اثبات ہوتا ہے اور یہ سب کچھ علمی و عقلی اور سائنٹفک دلائل کی روشنی میں واضح ہوتا ہے، جن کے ملاحظے کے بعد اصولِ دین کی حقانیت میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہ جاتا بلکہ ان دلائل کے ملاحظے سے ایمان میں "پختگی" پیدا ہوتی ہے اور یقین کی کیفیت بڑھ جاتی ہے جو کہ اصل مقصود ہے۔ اسی لئے ارشاد باری ہے:

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (عنکبوت: ۴۴)

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حقانیت (حکمت و مطابقت) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ ان مظاہر میں اہلِ ایمان کے لئے ایک بڑی نشانی موجود ہے۔

قرآن اور کائنات کے اسرار سربستہ

قرآن حکیم ایک حیثیت سے نہایت درجہ آسان ہے، جس سے ہر عالم اور عامی بخوبی استفادہ کر سکتا ہے، مگر دوسری حیثیت سے وہ انتہائی مشکل اور غامض بھی ہے، جس سے صرف اخص الخواص ہی مستفید ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ تمام علمی حقائق کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور یہ حقائق قرآن کے "سطحی مطالعے" سے واضح نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے لئے علوم و فنون کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرنی پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص: ۲۹)

یہ مبارک کتاب ہم نے آپ کے پاس (اس لئے) بھیجی ہے تاکہ (اہلِ علم) اس کی آیات میں غور کریں اور پختہ عقل والے (اس کے انوکھے مضامین کے ملاحظے سے) متنبہ ہو سکیں۔

اور حسب ذیل آیات کے ملاحظے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین اور آسمانوں کے تمام رازوں سے بخوبی آگاہ ہے جو مظاہر کائنات کے نظاموں میں پوشیدہ ہیں اور یہ راز ہائے فطرت قرآن اور کائنات کی مطابقت سے "دو اور دو چار" کی طرح بغیر کسی تاویل کے سامنے آتے ہیں اسی بنا پر قرآنی آیات کے ساتھ ساتھ مظاہر کائنات اور ان کے نظاموں میں غور و خوض کر کے خداوند قدوس کے ان تخلیقی رازوں کو منظر عام پر لا کر نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دینے کی دعوت دی گئی ہے:

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (فرقان : ۶)

کہہ دو کہ اس قرآن کو اس نے اتارا ہے جو زمین اور اجرام سماوی کے (تمام) بھیدوں کو جانتا ہے۔

وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (نمل : ۷۵)

آسمان اور زمین میں ایسی کوئی پوشیدہ چیز (راز سربستہ) نہیں ہے جو (اس کتاب روشن میں نہ ہو۔

اَوَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ (عنکبوت : ۱۰)

کیا اللہ کائنات کے سینے میں موجود (بھیدوں) کا جاننے والا نہیں ہے؟

اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (نمل : ۲۵)

کیا یہ لوگ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہ ہوں گے جو زمین اور آسمانوں میں موجود پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کر دیتا ہے؟

دیکھئے ان چاروں آیتوں میں ایک ہی حقیقت مختلف پیرایوں میں بیان کی گئی ہے اور الفاظ بھی بدل بدل کر لائے گئے ہیں۔ چنانچہ "سر" "غائبۃ" اور "خبء" تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں یا کائنات میں موجود تمام اسرار سربستہ کا جاننے والا ہے۔ دوسری آیت میں خبر دی گئی ہے کہ یہ تمام رازہائے سربستہ کتاب حکمت میں موجود ہیں۔ ان دونوں آیتوں کو ملانے سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ نظام فطرت کے تمام رازوں سے باخبر ہے اس لئے اس نے ان بھیدوں کو اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے۔ چنانچہ تیسری آیت کے مطابق جو سوالیہ انداز میں ہے۔ نوع انسانی سے یہ پوچھا جا رہا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کائناتی بھیدوں سے ناواقف ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ بات اسی وقت درست ہو سکتی ہے جب کہ قرآن اور تحقیقات جدیدہ کی

مطابقت ظاہر ہو جائے۔ ورنہ یہ مفہوم بے معنی بن کر رہ جائے گا۔ چنانچہ اس آیت کے مطابق کائناتی حقائق کے ظہور کے بعد ہی چوتھی آیت کی صداقت ظاہر ہو سکتی ہے، ورنہ یہ مفہوم صادق نہ آسکے گا۔ ظاہر ہے کہ قرآن عظیم ایک حکیمانہ کلام ہے اور اس کی تمام آیات ایک دوسرے کی شرح و تفسیر کرنے والی ہیں، ورنہ وہ ایک معمہ اور چیستان بن کر رہ جائے گا۔ اسی وجہ سے اس کلام حکمت میں غور و خوض کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ غرض ان آیات میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ابدی منصوبے کی رو سے اس کائنات میں موجود تخلیقی رازوں کو وقتاً فوقتاً ظاہر کرتا رہے گا تاکہ نوع انسانی کو اپنے وجود کی خبر دیتے ہوئے اسے اس بات پر آمادہ کر سکے کہ وہ اسے ایک خدائے برتر تسلیم کر کے اپنی عاقبت درست کر لے۔ یہ ہے قرآن اور کائنات کی مطابقت کا اصل الاصول اور مقصد المقاصد جو عند اللہ مطلوب ہے۔ لہذا اس سلسلے میں قرآن اور کائنات یا قرآن اور سائنس کے بارے میں دینی طبقوں کے درمیان جو غلط فہمیاں موجود ہیں وہ دور ہو جانی چاہئیں۔ کیونکہ یہ پوری کائنات خداوند عز و جل کی پیدا کی ہوئی ہے اور قرآن عظیم بھی اسی کا نازل کردہ ہے۔ لہذا ان دونوں میں تعارض و تضاد کسی طرح ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جو لوگ قرآن عظیم کو کلام الٰہی ماننے کے بجائے اسے ایک گھڑا ہوا صحیفہ قرار دیتے ہیں ان کی غلط فہمی بھی دور ہو جانی چاہئے۔ کیونکہ یہ کلام برتر ایسے گہرے حقائق و معارف پر مشتمل ہے جن کی صداقت و سچائی کی گواہی جدید سائنس اور اس کی تحقیقات دے رہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب منصوبہ بندی ہے۔ تاکہ خود انسانی تحقیقات کے ذریعہ عصر جدید پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے۔ تاکہ جسے مرنا ہو وہ دلیل دیکھ کر مرجائے۔

غرض قرآن عظیم ہر اعتبار سے حقائق و معارف سے معمور ایک لاثانی صحیفہ حکمت ہے جو عصر جدید میں اپنا علمی اعجاز دکھا رہا ہے اور اس کی تجلیوں سے علم و حکمت کے تاریک گوشے منور ہو رہے ہیں اور نئے نئے جہانوں کی سیر ہو رہی ہے۔ یہ عظیم صحیفہ سارے جہاں کے لئے تذکیر و تنبیہ بن کر سوئے ہوئے

انسانوں کو جگا رہا ہے اور اپنے ابدی حقائق کے جلوے دکھا کر پوری نوعِ انسانی کو متنبہ کر رہا ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ علم و حکمت سے پُر اور حقائق و معارف سے لبریز ہے، جس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ حسب ذیل آیاتِ کریمہ مذکورۂ بالا تمام دعوؤں کے عین مطابق ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (فرقان: ۱)	بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان (حق و باطل میں تمیز کرنے والی کتاب) نازل کی، تاکہ وہ سارے جہاں کو متنبہ کر سکے۔
اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ (ص: ۸۷-۸۸)	یہ قرآن سارے جہاں کے لئے ایک تذکرہ ہے اور تم کچھ عرصے کے بعد اس کی (سچائی) کی خبر ضرور جان لوگے۔

چنانچہ قرآن اور کائنات کے یہ پوشیدہ اسرار و معارف آج مسلسل و لگاتار ہمارے سامنے آرہے ہیں جن سے ہمارا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

حدیث بھی نشانِ رسالت

اس موقع پر ایک فلسفیانہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریگزارِ عرب کے ایک "اُمی" شخص کو ان عظیم ترین علمی حقائق تک رسائی کس طرح ہوئی، جن کے انکشافات پر دنیا کے قابل ترین سائنس دانوں کو اپنی عمریں کھپانی اور صدیاں لگانی پڑیں؟ کیونکہ سورج کے بارے میں یہ تمام انکشافات بیسویں صدی میں ظہور پذیر ہو سکے ہیں۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا کوئی بھی جواب اس عظیم ترین حقیقت کو تسلیم کئے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا کہ پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے سچے نبی تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ایک اُمی شخص تو کجا "اہل علم" کی ایک پوری ٹیم مل کر بھی اس قسم کی صحیح پیشین گوئی ہرگز نہیں کر سکتی تھی، جس کی حقیقت موجودہ دور میں ظاہر ہو رہی ہے۔ اس کی دوسری کوئی بھی مثال ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ اس قسم کے حقائق کا ظہور ڈیڑھ ہزار سال تو بہت دور کی بات ہے، پچھلی صدی تک میں بھی اس بات کا کوئی تصور تک کسی کے ذہن و خیال میں نہیں آسکا تھا کہ سورج ایک ایک دن اپنی "فطری موت" مرجائے گا۔ اس اعتبار سے قرآن تو قرآن خود حدیثِ نبوی بھی "نشانِ رسالت" کی حیثیت رکھتی ہے، جس پر عصرِ جدید کے بعض لوگ "بے اعتباری" ظاہر کرتے ہیں۔ اگر اس موضوع پر تحقیقی نقطۂ نظر سے کام کر کے ذخیرۂ حدیث میں جو حقائق مختلف علوم و فنون کے بارے میں مذکور ہیں انہیں منظرِ عام پر لایا جائے تو علمی دنیا حدیثِ نبوی کے اعجاز کا بھی اسی طرح نظارہ کرے گی جس طرح آج قرآنِ عظیم کے علمی اعجاز کا نظارہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا علماء کی ایک ٹیم کو اس کارِ عظیم میں جُٹ جانا چاہیئے۔ یہ وقت کی پکار ہے۔

اس موقع پر یہ حقیقت بھی ملاحظہ ہو کہ قرآن اور حدیث میں جو تفصیلات اس سلسلے میں مرقوم ہیں ان دونوں میں کوئی تعارض یا تصادم بالکل نہیں ہے۔ جو اس بات کا ایک اور ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ یہ دونوں ایک ہی سرچشمے سے صادر شدہ ہیں۔ ورنہ ان دونوں میں اس قدر زبردست مطابقت ہرگز نہ پائی جاتی اور پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ دونوں مصادر ایک دوسرے کی شرح و تفصیل بھی کر رہے ہیں۔ ان حقائق کے ملاحظے سے ان دونوں کا اعجاز یکساں طور پر ثابت ہوتا ہے اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ پیغمبرِ اُمی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے اور برگزیدہ نبی تھے اور آپ نے جو کچھ بھی ارشاد فرمایا وہ وحیِ الٰہی کی بنیاد ہی پر تھا۔ لہٰذا حدیثِ نبوی کا یہ اعجاز موجودہ دور کے لئے "نشانِ نبوت" قرار پاتا ہے۔ چنانچہ خود ایک حدیث میں وحیِ الٰہی کے اس اعجاز پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

ما من الانبیاء من نبی الا قد	ہر نبی کو کوئی ایسا معجزہ دیا گیا تھا جس پر

اوتی من الآیات ما مثلہ آمن	لوگ ایمان لائے، مگر مجھے جو معجزہ دیا گیا
علیہ البشر وانما کان الذی اوتیت	ہے وہ اللہ کی وحی ہے جو مجھے عنایت کی گئی
وحیا اوحی اللہ الی۔[۲۲]	ہے۔

چنانچہ آج قرآن کے ساتھ ساتھ خود حدیث نبوی کا معجزہ ہونا عقلی و سائنٹفک نقطۂ نظر سے اس طرح ثابت ہو رہا ہے کہ لوگوں کو ان دونوں کے وحی ہونے میں کسی بھی قسم کا شبہ باقی نہیں رہ جاتا ظاہر ہے کہ یہ ایک زندہ معجزہ ہے اور اس سے بڑا معجزہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا	وہ اپنی نفسانی خواہش کے مطابق کچھ
وَحْیٌ یُّوحٰی (نجم: ۳-۴)	نہیں کہتا، بلکہ وہ تو وحی ہے جو اس پر
	آتی ہے۔

الغرض ان دونوں مصادر کی صدق و سچائی کے لحاظ سے یہ حقیقت بھی بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ "علم" صرف وہی نہیں ہے جو محسوسات و معقولات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہو، جیسا کہ مادہ پرستوں کا دعا ہے، بلکہ علم وہ بھی ہے جو "وحی الٰہی" کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے لیکن پھر بھی ایک حیثیت سے "علم محسوسات" میں غلطی کا امکان رہتا ہے جب کہ وحی الٰہی یا علم الٰہی میں اس کا امکان نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ چودہ سو سال پہلے لسان نبوت سے جو کچھ صادر ہوا تھا وہ آج پتھر کی ایک لکیر کی طرح اپنی جگہ اٹل ہے، جب کہ نظام فطرت سے متعلق قدیم افکار و فلسفوں کی دنیا ہی بدل گئی ہے اور اس حقیقت عظمیٰ کو وہی جھٹلا سکتا ہے جو معاند ہو اور کسی بھی علمی حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہ ہو۔

آج وحی الٰہی اور علم الٰہی کی صداقت و حقانیت کا ایمان افروز نظارہ رات کے اندھیرے میں نہیں بلکہ دن کے "اجالے" میں ہو رہا ہے اور جدید سائنس اپنی تمام تحقیقات اور اپنے لاؤ لشکر سمیت اسلامی عقائد و تعلیمات کی لگاتار اور پیہم تصدیق و تائید کیا کر رہی ہے گویا کہ اسلامی عقائد و تعلیمات کو

"سلام" کر رہی ہے۔ اسلام کی صدق و سچائی کا اس سے بڑا عقلی ثبوت اور کیا چاہئے، فهل من مدکر؟

حواشی

۱ سنن دارمی، ۱/ ۵۰، دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ ۲ اسرار کائنات از جیمز جینس ص ۳۰، مطبوعہ کراچی۔ اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے راقم السطور کی کتاب "قرآن اور نظام فطرت" مطبوعہ ربانیہ اکیڈمی بنگلور ۳ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، ۴/ ۱۹۶۱ء مطبوعہ دارالافتا ریاض ۴ بخاری کتاب الکسوف ۲/ ۲۳، مطبوعہ استنبول، مسلم کتاب الکسوف ۲/ ۶۱۸ ۵ دیکھئے جارج گیمو کی کتاب "دی برتھ اینڈ ڈیتھ آف دی سن" ص ۱۵۹ ۶ بخاری کتاب الکسوف ۲/ ۲۴ ۷ ایضاً، ص ۲/ ۲۴-۲۵ ۸ بخاری ۲/ ۲۶ ۹ بخاری ۲/ ۲۵، مسلم ۲/ ۶۱۹ ۱۰ النہایہ فی غریب الحدیث ابن اثیر ۳/ ۳۴۴، المکتبۃ الاسلامیۃ ۱۱ Red Giant ۱۲ White Dwarf ۱۳ دیکھئے تفسیر ابن جریر ۲۷/ ۶۹، دارالمعرفہ بیروت، تفسیر در منثور، جلال الدین سیوطی ۷/ ۶۹۲، دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ، زادالمسیر فی علم التفسیر ابن جوزی ۸/ ۱۰۷، المکتب الاسلامی دمشق ۱۳۸۰ھ ۱۴ تفسیر کشاف ۴/ ۳۳، انتشارات آفتاب تہران ۱۵ تفسیر ابن جریر ۲۷/ ۶۹ ۱۶ تفسیر قرطبی ۲۰/ ۱۵۳ ۱۷ زادالمسیر فی علم التفسیر، ابن جوزی ۸/ ۱۰۷ ۱۸ تفسیر قرطبی ۲۷/ ۱۵۳ ۱۹ تفسیر بیضاوی ۵/ ۲۷۳، نیز ملاحظہ ہو تفسیر ابوالسعود ۸/ ۱۷۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۲۰ دیکھئے زادالمسیر فی علم التفسیر (تفسیر ابن الجوزی) ۸/ ۱۰۷ ۲۱ تفسیر ابن کثیر ۴/ ۴۷۰، مکتبہ دارالتراث قاہرہ ۲۲ دیکھئے المفردات فی غریب القرآن، ص ۱۲۴ ۲۳ صحیح مسلم ۱/ ۱۳۴، مطبوعہ ریاض، نیز ملاحظہ ہو مسند احمد: ۲/ ۳۴۱، بیروت۔

مقدمہ ابن خلدون

از ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی*

ابن خلدون نے سب سے پہلے فلسفۂ علم تاریخ کی بنیاد ڈالی، وہ اس میدان میں رجل اول اور مفکر اعظم کا مرتبہ رکھتا ہے۔ اس نے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈال کر انسانی تاریخ و تہذیب میں اپنا ایک مقام پیدا کر لیا ہے۔ عالمی ادب میں اس کتاب کو اہم درجہ حاصل ہے اور تاریخ کا کوئی طالب علم اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ عالمی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ مقدمہ ابن خلدون اعلیٰ انسانی ذہن کا ترجمان ہے۔

تاریخ ابن خلدون کا اصلی اور پورا نام " کتاب العبر و دیوان المبتدا و الخبر فی ایام العرب والعجم والبربر و من عاصرھم من ذوی السلطان الاکبر" (یعنی عبرتوں کی کتاب جس میں عربوں، عجمیوں، بربری قبائل کی اور ان کے طاقت ور معاصرین کی جنگوں کے دفتر ہیں) اس کی اصل کتاب تو زیادہ اہمیت اختیار نہ کر سکی مگر اس کے مقدمہ نے عالمی شہرت حاصل کی اور اصل کتاب کو پیچھے چھوڑ دیا۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ اس نے جن اصولوں اور مباحث کو اپنی کتاب میں پیش کیا ہے ان کو وہ خود اپنی تاریخ نگاری میں عملی طور پر برت نہ سکا بلکہ اس کی تاریخ بھی عام تاریخوں کی طرح واقعات کا مرقع ہے۔ اس میں وہ سماجی تصویریں نظر نہیں آتیں جن کی ترجمانی وہ اپنے مقدمہ میں کرتا ہے۔

* پروفیسر و صدر شعبۂ عربی و ڈائرکٹر مدرسۃ السنہ کالی کٹ یونیورسٹی، کیرالا۔

مستشرق کاتومیر نے پیرس سے مقدمہ ابن خلدون کو ۱۸۵۸ء میں شایع کیا، پھر مصر میں مطبع بولاق سے ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۸ء سات جلدوں میں یہ کتاب شایع ہوئی۔

ابن خلدون نے خود اپنے حالات زندگی لکھ کر اصل کتاب العبر کے آخر میں شامل کر دیا ہے۔ اس طرح اس کے سوانح حیات کتاب العبر کا آخری حصہ بن گئے ہیں اور وہ پوری طرح محفوظ رہ گئے ہیں، پھر بھی اس سیرت ابن خلدون کو کتاب سے الگ کر کے استاذ محمد بن تاویت طنجی نے ۱۹۵۱ء میں لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر کی جانب سے شایع کیا اور اس رسالہ کا نام رکھا " التعریف بابن خلدون و رحلتہ غرباً و شرقاً" یعنی ابن خلدون کی تعریف اور مشرق و مغرب میں ان کے اسفار۔

ابن خلدون کے سوانح

اس کا پورا نام عبدالرحمٰن ابوزید ولی الدین ابن خلدون ہے۔ اس کی کنیت ابوزید، اس کا نام عبدالرحمن اور ولی الدین لقب ہے۔ مگر اس کی شہرت ابن خلدون کے نام سے ہے۔ اس کی کنیت ابوزید اس کے بڑے لڑکے کے نام سے مستعار ہے اس لئے کہ عام طور سے عرب اپنے پہلے بیٹے کے نام سے کنیت اختیار کرتے تھے۔ اس کے تمام لڑکوں کے اسما تیقن کے ساتھ معلوم نہیں۔ ولی الدین اس کو لقب سلطان مصر نے عطا کیا تھا۔ جب کہ وہ مصر کا مالکی قاضی مقرر ہوا۔ ابن خلدون وہ اس مناسبت سے کہلاتا ہے کہ اس کا نواں دادا اندلس میں داخل ہوا۔ وہ خلدون کہلایا۔ اہل اندلس خلد میں اور ن تعظیم کے لئے داخل کر دیتے تھے۔ چنانچہ زید کو زیدون کہا جاتا ہے۔

ابن خلدون کا خاندانی و نسبی تعلق صحابی حضرت وائل بن حجر سے ملتا ہے۔ وہ اپنے نام کے ساتھ حضرمی اور یمانی بھی لکھتا ہے۔ حضرموت کے رہنے والے اپنے کو حضرمی لکھتے ہیں۔

خلدون کے بیٹے شہر قرمونہ (اندلس) میں قیام پذیر ہوئے اور وہیں ان کی نشو و نما ہوئی۔

پھر اشبیلہ ان کے دادا خالد بن عثمان نے ہجرت کی۔ اشبیلہ شہر سے خلدون کے لڑکوں نے شمالی افریقہ ہجرت کی اور وہ تونس میں جم گئے۔ اصلاً ان کا نسبی تعلق قبیلہ کندہ سے تھا۔ عبدالرحمن بن خلدون تونس میں یکم رمضان ۷۳۲ھ مطابق ۱۳۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ جب تعلیم کی عمر کو پہنچے تو قرآن مجید حفظ کیا۔ اپنے والد سے بھی تعلیم حاصل کی اور تونس کے دوسرے علمائے عظام کے سامنے بھی دامن تلمذ تہ کیا۔ ابن خلدون نے علوم عربیہ و علوم شرعیہ کے علاوہ ریاضی، منطق و فلسفہ اور دوسرے سائنسی علوم بھی پڑھے اور ان میں مہارت حاصل کی۔ ابن خلدون چاہتے تھے کہ علم کے لئے وہ پوری طرح فارغ ہو جائیں مگر دو حادثے ایسے پیش آئے جنھوں نے ان کے حصول تعلیم کی راہ مسدود کر دی۔ ایک ان کے والد کی وفات اور دوسرے تونس میں طاعون کی وبا۔ جس کی وجہ سے اکثر علماء نے وفات پائی یا پھر وہ تونس کو چھوڑ کر مراکش چلے گئے۔ اسی مجبوری سے انہوں نے وسیلۂ رزق کے لئے سرکاری نوکری اختیار کی۔

ابن خلدون نے اپنے دور کی حکومتوں سے تعلقات پیدا کئے اور وہ مختلف مناصب پر فائز رہے۔ ملازمت کی مدت ۲۵ برس کے لگ بھگ ہے۔

۷۵۱ھ سے ۷۷۶ھ تک وہ حکومت کے کاموں میں مشغول رہے۔ مگر یہ ان کا حقیقی میدان نہ تھا بلکہ زندگی اور زمانہ کے اقتضا ر سے وہ اس میدان میں اپنی خدمات اضطراراً انجام دیتے رہے۔ وہ اس ۲۵ برس کی پوری مدت میں اس امر کے منتظر رہے کہ شاید ان کو موقع مل سکے تو علمی زندگی کو پھر سے شروع کریں۔ اس زمانہ میں فاس میں ابو فارس عبدالعزیز کا بیٹا سعید حاکم اور سلطان تھا۔ ابن خلدون اس کے وزیر ابن غازی کے پاس گئے۔ اس نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی مگر اس نے ان کو کوئی منصب عطا نہیں کیا۔ اس دوران مراکش مغرب اقصیٰ میں انقلاب آیا۔ ابن غازی کو جاہ و حشمت سے ہٹنا پڑا۔ بعض لوگوں نے

ابن خلدون کے خلاف سلطان سے شکایت کی جس کی بنا پر ان کو گرفتار کر لیا گیا مگر کچھ مدت کے بعد وہ آزاد کر دیا گیا۔ ابن خلدون نے اپنے گھر والوں کو فاس میں چھوڑ کر ۷۷۶ھ میں ہجرت کی اور غرناطہ آئے۔ سلطان بنی احمر کے مہمان ہوئے۔ سلطان فاس نے ابن خلدون کے غرناطہ میں قیام سے خطرہ محسوس کیا اور اس کے اہل و عیال کو فاس میں روک لیا اور سلطان غرناطہ کو لکھا کہ ابن خلدون کو فاس واپس کر دیں۔ مگر سلطان غرناطہ نے اس امر سے انکار کیا۔ تب اس نے لکھا کہ ابن خلدون کو اپنی سلطنت سے باہر نکال دیں۔ اس بار سلطان غرناطہ نے اس کی خواہش پوری کر دی اور ابن خلدون کو غرناطہ سے نکال دیا۔ ابن خلدون غرناطہ سے تلمسان آ گئے۔ تلمسان میں ابو حمو کی حکومت تھی جو فاس کے سلطان کا دشمن تھا۔ اس نے ان کی پوری قدر و منزلت کی اور وہ سلطان کے مہمان ہو گئے۔ وہاں ابن خلدون کے اہل و عیال بھی آ گئے۔ بادشاہ نے ابن خلدون کو پورا موقع عطا کیا کہ وہ اپنا وقت علم و ادب کی آبیاری میں صرف کریں۔ اس سے قبل ان کے تعلقات اس بادشاہ سے ٹھیک نہ تھے اس لئے کہ وہ فاس میں مقیم رہ چکے تھے، مگر سلطان نے ابن خلدون کے پہلے انداز کو معاف کر دیا۔ اب وہ ۴ برس تلمسان میں نہایت عزت کے ساتھ مقیم رہے اور علم و فضل کی آبیاری کرتے رہے۔ ۷۷۶ھ سے ۷۸۰ھ تک چار سالہ مدت میں انہوں نے عظیم ابدی کارنامہ انجام دیا اور کتاب "العبر و دیوان المبتداء و الخبر فی ایام العرب والعجم والبربر و من عاصرھم من ذوی السلطان الاکبر" کو مکمل کیا اور پھر اس کتاب پر انہوں نے ایک عالمانہ مقدمہ بھی قلم بند کیا۔ اس مقدمہ میں انہوں نے اجتماعی و سماجی انسانی زندگی کے احوال و قوانین اور تاریخ کی روح کو پیش کیا ہے۔ یہی مقدمہ بعد میں مقدمہ ابن خلدون کے نام سے مشہور ہوا۔ ابن خلدون نے یہ کتاب مع مقدمہ

سنہ ۷۷۶ھ میں شروع کیا اور سنہ ۷۸۰ھ کے آخر میں اس کو مکمل کر دیا۔ اس وقت ابن خلدون کی عمر ۴۵ برس کی تھی اور ان کی فکری بصیرت عروج پر تھی ان کے قوی پختگی کو پہنچ گئے تھے اور ان کے فکری آفاق نے نیا اندازِ نظر اختیار کر لیا تھا۔ خصوصاً انھوں نے عمر کے ۲۵ برس سیاست اور سیاسی زندگی کی پیچیدگیوں میں رہ کر بسر کئے تھے جس کے باعث انسانی زندگی کی اجتماعی مشکلات، نفسیاتی عقدے، تونس، مراکش، الجزائر اور اندلس کے درباروں کی حالت اور انسانی زندگی کی کشمکش، تجربات، حیات اور وسیع مشاہدات نے ان کی فکر کو بلند کر دیا تھا۔ انھوں نے ان عناصر کا گہرا مطالعہ کیا جو قبائلی عصبیت، تقالید، روایات اور فکری زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے متضاد و متناقض احوال کا مطالعہ اجتماعی اور سماجی زندگی کے آئینہ میں بڑی گہرائی سے کیا۔ حالات کے ظہور پذیر ہونے میں اسباب سے بحث کی اور اسباب کا پتہ چلایا۔ انھوں نے سیاسی اور سماجی زندگی کی کشاکش و کشمکش سے اصول و قوانین کا استنباط اور استخراج کیا۔

ابن خلدون نے ایک ایسا زمانہ پایا جس میں اسلام سیاسی حیثیت سے مغلوب تھا بلکہ پوری نویں صدی ہجری ایک سیاہ دور کی ترجمانی کرتی ہے۔ سیاسی حیثیت سے مغلوں نے بغداد پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ پھر اسی قرن میں تیمور لنگ کی قیادت میں تاتاریوں نے عالمِ اسلام پر قیامت ڈھائی۔ اندلس میں بھی یہ ادبار کا دور اور صرف غرناطہ کی حکومت باقی تھی جس کے بارے میں ابن خلدون نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ حکومت بھی زیادہ دنوں تک چلنے والی نہیں۔ پھر انھوں نے اپنی آنکھوں سے افریقہ کے حکمرانوں کے اندر جو باہمی کشمکش تھی اس کا مطالعہ کیا، بنو حفص، بنو عبدالواد اور بنو مرین میں باہمی منافرت اور کشمکش تھی جس کے اثرات کا مطالعہ ابن خلدون نے ژرف نگاہی سے کیا

اور اس سے استنتاج بھی کیا۔ اس لئے کہ جن احوال و ظروف میں انھوں نے زندگی گزاری، ان کے اثرات ان کی زندگی ہی پر پڑے۔ اس لئے کہ ہر انسان اپنی سوسائٹی کا پروردہ ہے ابن خلدون نے مقدمہ ابن خلدون قلعۂ بنی سلام میں بیٹھ کر لکھا ہے اس میں انھوں نے اسلامی تاریخ و تہذیب کی تحلیل کی ہے۔ اسباب و علل سے بحث کی ہے اور مسبب بیان کر کے علمی انداز اختیار کیا ہے بلکہ اصولی بحثیں کی ہیں۔ غرض مقدمہ ایک الہامی کیفیت کا ترجمان ہے۔ فیضانِ الٰہی کی بارش ان پر ہوتی ہے۔ اس کے اندر جو اصالت، جدت اور فکری بصیرت نظر آتی ہے وہ غیر معمولی عبقری انسان کی عظمت کو ثابت کرتی ہے [1]

ابن خلدون ۲۵ برس مختلف بادشاہوں کے درباروں میں رہا۔ اس نے انسانی زندگی کے اندر معاشرتی و سیاسی کشمکش کا مطالعہ کیا۔ اس نے عظیم نتائج حاصل کئے۔ اس نے سلطنتوں کے وجود میں آنے، ان کی ترقی کرنے کے اسباب اور ان کے اندر انقلابات کی تحلیل سے استنتاج کیا۔ اس نے درباروں کے مختلف موثر عناصر کا مطالعہ کیا، امراء کی نفسیات کو سمجھا۔ شمالی افریقہ کے قبائل کا مطالعہ کیا اور ایک فلسفی مورخ کی حیثیت سے اس نے نتائج اخذ کئے۔ اس نے اصولوں پر مبنی بحثیں کی ہیں۔ اس کے اندازِ نظر میں فلسفے کی عظمت اور مشاہدات کی صداقت موجود ہے۔ وہ استنتاج میں موازنہ سے بھی کام لیتا ہے۔ عام قوانین کا استخراج کرتا ہے اور نتائج کی عمومیت سے بحث کرتا ہے۔ استقرار کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اسباب و علل سے نظریات کی تکوین کرتا ہے اور اسباب و نتائج کو قوانین عامہ کے تحت لاکر ان کی تحلیل کرتا ہے۔ اس طرح اس کے فلسفۂ تاریخ میں استقرار کی عظمت اور احوال و ظروف سے استخراج قوانین اہم بنیادیں قرار پاتی ہیں۔ اس طرح مقدمہ ابن خلدون تاریخی و اجتماعی احوال کے مطالعہ میں

---

[1] الموجز فی تاریخ العلوم عند العرب از ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن دار الکتاب اللبنانی ص ۱۴۹ - ۱۵۰ -

ایک عظیم انسانی فتح اور فکری بصیرت کی نشان دہی کرتا ہے[1]

دراصل ابن خلدون نے امام غزالی سے بہت تاثر قبول کیا ہے۔ غزالی ان کی نظر میں فقیہ، متکلم اسلام اور فلسفی ہیں۔ دونوں کے استنتاج میں کافی مشابہت ہے۔ مگر دونوں کا میدان بالکل جدا ہے۔ فلسفیانہ انداز نظر ابن خلدون نے امام غزالی سے اخذ کیا ہے۔ خواص اور صفات کی تحلیل سے اشیاء کی معرفت کا راز وہ امام صاحب سے حاصل کرتے ہیں۔ عقلی قوانین سے استنتاج کرتے ہیں۔ وہ فکری انسجام توافق کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس طرح ابن خلدون کا منہج علمی ہے جو واقعات، مشاہدات اور منظم فکری انداز نظر پر مبنی ہے وہ دراصل تجرباتی انداز اختیار کرتے ہیں۔ علمی و تخیلی راستہ سے ہٹ کر تجربات کی راہ سے تاریخ اور انسان کی اجتماعی زندگی کا وہ مطالعہ کرتے ہیں۔ شخصی حوادث کا مطالعہ استقراء کے ساتھ اور حقائق اشیاء کی تحلیل عقل کی روشنی میں ان کی فکری عظمت سامنے آتی ہے۔ منطقی قیاسات سے وہ دور ہیں اور تجرباتی تحلیل اور مشاہدات سے قریب تر ہیں۔ مشاہدات اور تجربات ان کے فلسفہ و فکری بصیرت کی بنیادیں ہیں۔[2]

ابن خلدون نے مقدمہ لکھنے میں صرف ۵ ماہ صرف کئے اور یہ مقدمہ ۷۷۹ھ میں مکمل ہو گیا۔ خود ابن خلدون متحیر رہ گئے کہ کیسے انہوں نے اتنا عمیق و طویل علمی و فکری کارنامہ صرف ۵ ماہ میں مکمل کر لیا، اس عظیم علمی کارنامہ کو اتنی قلیل مدت میں انجام دینے پر ان کا استعجاب بالکل بجا ہے اس لئے کہ عام آدمی تو برسہا برس صرف کرنے پر بھی اتنا عظیم کارنامہ انجام نہیں دے سکتے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ۲۵ برس جو وہ حکومت کے مناصب اور عہدوں پر کام کرتے رہے انہوں نے اس پورے عرصہ میں انسانی زندگی، انقلابات، نفسیاتی احوال، سیاسی

[1] نفس المرجع ص ۱۵۰، [2] ایضاً ص ۱۵۹-۱۶۰۔

تقلبات اور اجتماعی احوال پر غور و خوض کر کے ان سے استنتاج کا کام مسلسل کرتے رہے۔ ان کی باطنی اور شعوری عقل یا احساسات برابر استخراج نتائج میں منہمک و مشغول رہے۔ یہ سب خیالات ان کے شعور پر مرتب ہوتے رہے پھر جب وہ قلم لے کر بیٹھے تو ان کے ذہنی خیالات اور خارجی سیاسی و اجتماعی احوال اور درباروں کی سیاست اور ان میں اشخاص، قبائلی و نسلی عناصر اور ان عناصر کی باہمی کشمکش برابر ان کے ذہن میں تحلیلی کام کرتی رہی اور یہی تحلیلی اور استنباطی کیفیت تھی جن کو انہوں نے ایک عبقری مفکر کی حیثیت سے قلم بند کر کے عالم انسانی میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور جب مرتب انداز سے انہوں نے تاریخ انسانی پر نظر ڈالی تو پورا ایک فلسفۂ تاریخ وجود میں آ گیا، وہ فلسفہ جو انسانی زندگی کے سیاسی اور سماجی عناصر کے آئینہ میں تیار کیا گیا تھا ان کے اندر کی ناقدانہ نظر نے مقدمہ میں اپنا کام کیا چونکہ ہمارا یہ مورخ اس کام کے لئے فارغ ہو کر بیٹھا تھا اس لئے اس نے پوری دل جمعی اور اطمینانِ خاطر سے یہ کام انجام دیا۔ وہ اپنے حافظہ سے بھی لکھتا تھا اور اپنی ان یادداشتوں سے بھی کام لیتا تھا جو اس نے تیار کی تھیں۔ یہ کام اس نے قلعہ ابن سلامہ میں اطمینان سے بیٹھ کر کیا تھا اور اس میں اس نے اپنے ذاتی کتب خانہ سے بھی مدد لی تھی۔

مگر یاد رہے کہ جب اس نے مقدمہ لکھا ہے اس وقت تاریخ نویسی کا اصل کام وہ انجام دے چکا تھا۔ ۷۸۰ھ میں اس نے پوری تاریخ مع مقدمہ مکمل کر لی تھی مگر مقدمہ اس نے ۷۷۹ کے نصف میں لکھا۔ یعنی تاریخ لکھنے میں جو خیالات اس کے ذہن و فکر میں موجزن رہے انہوں نے اس مقدمہ پر اثر ڈالا ہے۔ مختلف ملکوں اور قوموں کی تاریخ کے اثرات اس کے استنتاج میں بنیادی رول ادا کرتے رہے ہیں۔ قلعہ ابن سلامہ جہاں وہ اطمینان سے کام کر رہا تھا اور اس کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔ جب وہاں کتاب

تکمیل کے قریب پہنچ گئی اور مقدمہ بھی اس نے تیار کر لیا تب اس نے مزید مراجعت اور مصادر کی تلاش میں مع اہل و عیال تونس کی طرف مراجعت کی اور وہ سلطان تونس ابو العباس احمد بن ابو عبداللہ محمد کا مہمان بنا۔ سلطان نے اس کی پرانی غلطی اور اس کے دشمن کے یہاں قیام کو معاف کر دیا۔ پھر وہ چار برس تونس میں شاہی سرپرستی میں مقیم رہا اور اپنی تاریخ کی تنقیح تحکیک، مراجعت اور حذف و اضافہ میں مشغول رہا۔ چار برس کے بعد اس نے منقح اور مکمل شکل میں کتاب کا ایک نسخہ سلطان تونس کی خدمت میں اوائل ۷۸۴ھ میں پیش کیا چونکہ یہ نسخہ سلطان تونس ابو العباس کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اس بنا پر اس کو نسخہ تونیسیہ کہا جاتا ہے۔

ابن خلدون کا مصر میں قیام

سلطان تونس ابو العباس چاہتا تھا کہ ابن خلدون اس کے دربار میں رہیں اور اس کو اپنے صائب مشوروں سے نوازتے رہیں مگر ابن خلدون ۲۵ برس سیاسی زندگی میں رہ کر اس سے اکتا چکے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ خالص علمی زندگی بسر کریں۔ بہ طور بہانے کے انہوں نے سلطان سے حج کرنے کی اجازت چاہی سلطان نے اجازت دینے میں تاخیر کی بہر حال جب ابن خلدون کو حج کرنے کی اجازت مل گئی تو اس نے اپنے خاندان کو تونس میں چھوڑ دیا اور خود سمندر کی راہ سے اسکندریہ پہنچا، وہاں حج کی تیاری کرتا رہا مگر حالات ایسے پیش آئے کہ وہ مکہ نہ جا سکا۔ غالباً حج کا ارادہ شروع میں تھا پھر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور اسکندریہ سے وہ قاہرہ چلا گیا۔ قاہرہ اس دور میں فکر و نظر کا مرجع اور مشرق و مغرب کے علوم کا مجمع البحرین تھا۔ مصر کے بادشاہوں نے علوم و فنون کی سرپرستی کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ انہوں نے جامعہ ازہر کو عالمی شہرت دے دی تھی۔ یہ شہرت عصر فاطمی سے مصر میں چلی آتی تھی۔ جس وقت ابن خلدون مصر پہنچا۔ اس کی شہرت پہلے وہاں پہنچ

چکی تھی اور اس کے علم کا شہرہ ہر طرف عام تھا۔ مصری اہل علم کا حلقہ اس کی عظمت سے پوری طرح واقف اور باخبر تھا۔

اصحاب مکتبات اور وراقین کے دفاتر میں وہ ایک معروف شخصیت کا حامل تھا اس کی کتاب سارے عالم اسلام میں پھیل چکی تھی۔ لہذا جب وہ مصر پہنچا تو قاہرہ کے علمی حلقوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس کا استقبال گرم جوشی سے عوام اور خواص نے کیا۔ اس کے گرد اہل علم کا ایک وسیع حلقہ جمع ہو گیا۔ یہ لوگ اس کے علم سے استفادہ کر رہے تھے۔ ابن خلدون نے جامع ازہر میں درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ اس کے لکچر نہایت عالمانہ ہوتے اور ان میں طلبہ و علما دونوں شریک ہوتے۔ سلطان مصر برقوق نے اس کی عظمت کے پیش نظر اس کو مدرسہ قمحیہ میں مالکی مذہب کا قاضی مقرر کر دیا۔ اس مدرسہ کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے قائم کیا تھا۔ اس پر سلطان نے فیوم کے علاقہ کی پیداوار وقف کر دی تھی جہاں سے گیہوں کی پیداوار اس مدرسہ کو جاتی تھی۔ جس کے باعث اس مدرسہ کا نام قمحیہ مدرسہ پڑ گیا۔

اس دور میں مصر میں محکمہ قضا اور عدالت بہت برے حال میں تھا۔ ابن خلدون نے حیلہ بازی، فیصلہ میں تاخیر، امرا اور اعیان کی سفارش سب کی اصلاح شروع کر دی۔ اس کے اس طرز نے اصحاب قوت اور اہل ہوس کو اس کے خلاف کر دیا۔ پھر ابن خلدون مراکشی تھا اور یہ عہدۂ قضا حکومت مصر کا ایک بڑا عہدہ تھا۔ لہذا مقامی عصبیت نے بھی اپنا کرشمہ دکھایا اور چونکہ ابن خلدون ایک عمدہ مقرر، خطیب، صاحب اسلوب ادیب اور عمدہ زبان داں تھا، ان تمام باتوں سے مصر کے ایک طبقہ نے اس سے حسد کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ باہر سے آکر ایک شخص نے اتنی عمدہ پوزیشن حاصل کر لی ہے

لہٰذا اس کے خلاف غیبت اور سازش کا دور شروع ہوا۔

چونکہ ابن خلدون تنہا مصر آیا تھا اور اس کی بیوی اور اس کی اولاد سب تونس میں مقیم تھی سلطان تونس نے اس کے متعلقین کو مصر جانے سے روک دیا تاکہ ابن خلدون دوبارہ تونس واپس آجائے۔ بہرحال سلطان مصر ظاہر برقوق نے سلطان تونس سے سفارش کی لہٰذا اس کا پورا خاندان کشتی پر سوار ہو کر مصر کے سفر پر روانہ ہوا۔ مگر جب سفینہ اسکندریہ کے قریب پہنچا تو ایسا طوفان آیا کہ کشتی ڈوب گئی۔ اس کے لڑکے لڑکیاں بیوی اور سارا سامان، کتابیں اور مال و متاع سب سمندر میں ڈوب گیا۔ اس عظیم تر حادثہ کے اثرات ابن خلدون کی طبیعت پر مرتب ہوئے اور وہ دنیا سے اور دنیا کے عہدوں سے بے نیاز ہو گیا۔ وہ ۷۸۷ھ میں منصب قضا سے الگ ہو گیا۔ صرف ایک سال وہ اس عہدہ پر فائز رہا۔ مگر اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان کشمکش برابر جاری رہی۔ کبھی ابن خلدون قاضی بن جاتا اور کبھی اس کے مخالف اس عہدہ پر مقرر ہوتے، حتیٰ کہ ابن خلدون ۶ بار قاضی بنے، چھٹی بار اتنی مدت تک قاضی رہے کہ ان کی وفات بحیثیت قاضی کے ۲۶ رمضان ۸۰۸ھ میں قاہرہ میں ہوئی۔ یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ اس نے ۲ دو عہدے اور حاصل کر لئے ایک تو وہ مدرسہ برقوقیہ ظاہریہ میں استاذ مقرر ہوا۔ دوسرے مدرسہ صرغتمش میں استاذ حدیث مقرر ہوا۔ پھر خانقاہ بیبرس میں شیخ مقرر ہوا اور اس کی کثیر آمدنی سے متمتع ہوا۔ مگر ان تمام ملازمتوں پر وہ صرف چند ماہ رہا اور پھر چھوڑ دیا۔ اس طرح وہ مصر میں ۲۴ برس ۷۸۴ھ سے ۸۰۸ھ تک رہا۔

ابن خلدون کا سفر حجاز بیت المقدس اور دمشق

مصر کے ۲۴ سالہ قیام میں ابن خلدون نے صرف تین ۳ سفر کئے۔ ۷۸۹ھ میں اس نے سفر حج کیا۔ اپنی سوانح حیات التعریف میں اس نے ۲۰ صفحات میں اس سفر کے حالات بیان کئے ہیں۔ پھر اس نے دوسرا سفر مصر سے بیت المقدس دیکھنے کے لئے کیا۔ رمضان ۸۰۲ھ میں اس نے شہر خلیل، بیت لحم اور بیت المقدس میں جو کچھ دیکھا اس کا ذکر اس نے اپنی سوانح حیات التعریف میں بیان کیا ہے۔ تیسرا سفر اس نے ۸۰۳ھ میں شام کا کیا۔ اس وقت اس کے ساتھ شاہ مصر کا لڑکا سلطان ناصر بھی تھا۔ شام میں ابن خلدون نے تیمور لنگ سے ملاقات کی۔ ابن خلدون نے تیمور لنگ کی مجالس میں شرکت کی، اس کے درباریوں میں شامل ہو گیا اور اس سے بہت قریب ہو گیا، اس کو توقع تھی کہ شاید وہ کوئی بڑا منصب حاصل کرے مگر اس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکا۔ چند ہفتوں میں وہ دمشق کی زندگی سے گھبرا گیا اور تیمور لنگ سے اجازت لے کر وہ مصر واپس آگیا۔ تیمور لنگ سے اپنی ملاقات اور مجالس کا ذکر اس نے ۲۰ صفحات میں اپنی خود نوشت میں بیان کیا ہے۔ مصر کے درمیان قیام میں اس نے اپنی تاریخ کتاب العبر میں کافی اضافے کئے اور مقدمہ میں بھی اضافے کئے اور تنقیح بھی کی اور اندلس کی تاریخ بھی اس نے لکھی۔ مراکش کے آٹھویں صدی ہجری تک کے واقعات پر بھی اس نے سیر حاصل بحث کی۔ التعریف ابن خلدون کے نام سے اس نے اپنی کتاب العبر میں اپنے حالات کا ضمیمہ شامل کر دیا تھا۔ اس خود نوشت میں بھی وہ برابر اضافہ کرتا رہا اور اپنی عمر کے آخری حالات بھی اس نے اس میں شامل کر دئے۔ اس میں اس کی آخری عمر ۸۰۷ھ یعنی انتقال سے چند ماہ قبل تک کے حالات شامل ہیں۔ اس نے اپنی کتاب العبر کا ایک نسخہ سلطان ملک ظاہر برقوق کی خدمت میں پیش کیا دوسرا نسخہ اس نے سلطان ابو فارس شاہ مراکش کی خدمت میں پیش کیا۔ کتاب العبر میں تین ۳ حصے ہیں یعنی مقدمہ، تاریخ اور آخر میں خود نوشت۔

وفات

ابن خلدون نے اچانک وفات پائی۔ ۲۵ رمضان ۸۰۸ھ ۱۶ مارچ ۱۴۰۶ء

کو جب اس کی عمر ۷۶ برس کی تھی۔ اس وقت وہ ملک مصر کے مالکی قاضی کے اعلیٰ عہدہ پر فائز تھا۔ اس کی تدفین مقابر صوفیہ موجودہ عباسیہ محلہ میں ہوئی مگر اب یقین کے ساتھ اس کی قبر کا تعیین نہیں کیا جا سکتا۔

ابن خلدون کا فلسفۂ علم معاشرت

اجتماعی اور سماجی زندگی کے مطالعہ کو ابن خلدون تاریخ کی روح قرار دیتا ہے۔ افراد کے تعلقات کی روشنی میں وہ تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے انھیں تعلقات سے انسان کی سیاسی زندگی کا مطالعہ اور اس کی تفہیم آسان ہو جاتی ہے۔

پھر وہ دولت اور اس کی تقسیم اور اقتصادی و معاشی مسائل سے بحث کرتا ہے اور اس سلسلہ میں وہ عالمانہ بحثیں پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ انسانی زندگی میں خاندان' افراد خاندان اور عزیزدارانہ تعلقات کے اثرات سے بحث کرتا ہے۔ پھر وہ عدلیہ اور انصاف کی اہمیت اور معاشرہ پر اس کے اثرات سے تعرض کرتا ہے۔ پھر عقائد، شرائع اور اخلاق اور خیر و شر کے فلسفہ پر بحث کرتا ہے اور اس کے اثرات سے تعرض کرتا ہے جو انسانی سماج پر مرتب ہوتے ہیں۔ پھر زبان ادب' جمالیات اور فن سے بحث کرتا ہے اور ان کے اثرات اجتماعی زندگی پر دکھاتا ہے۔ وہ ان تمام بحثوں میں دراصل اصول و قانون کو پیش نظر رکھتا ہے۔ یعنی یہ بحثیں اور یہ مناقشے اصول و قوانین سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ اس کے مطالعہ تاریخ سے استنتاج پر مبنی ہیں۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ ان عام انسانی و سماجی قوانین کو پیش کرے جن سے انسانی تاریخ اور انسانی سماج عبارت ہے۔ انسان کی اجتماعی زندگی پر یہ قوانین جاری و ساری ہیں۔ وہ تاریخ تحلیل کے ذریعہ نتائج اخذ کرتا ہے۔

ابن خلدون کا فلسفۂ عمرانیات

ابن خلدون نے تاریخ عالم میں اپنا ایک نیا فلسفہ پیش کیا ہے اس کا نام انھوں نے فلسفہ علم الاجتماع رکھا ہے یا لوگوں نے اس فلسفہ تاریخ کو علم الاجتماع کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ عربی کے اس لفظ کا ترجمہ اردو میں ہم سماجی فلسفہ تاریخ کہہ سکتے ہیں۔ یعنی وہ تاریخ جو محض واقعات کی کھتونی نہ ہو بلکہ اس میں انسانی سوسائٹی، معاشرہ اور سماج کی تصویریں بھی شامل ہوں دوسرے الفاظ میں عام زندگی، اقتصادی زندگی اور سماجی تصویروں کی روشنی میں تاریخ لکھی جائے۔ افسوس ہے کہ خود ابن خلدون کی اپنی تاریخ اس کے اپنے فلسفہ تاریخ کے متعلق نہیں لکھی گئی بلکہ عام تاریخوں کی طرح وہ سیاسی واقعات پر مبنی ہے مگر ابن خلدون کے ایک اہم شاگرد نے اس کے فلسفہ تاریخ پر عمل کرکے اپنی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس شاگرد کا نام مقریزی ہے مقریزی نے سماجی و معاشرتی زندگی کے آئینہ میں مصر کی تاریخیں لکھی ہیں۔

قوانین فطرت کی طرح ابن خلدون نے سماجی اور انسانی زندگی کی تاریخ مستنبط کرنے کی تلقین کی ہے اور قوانین کو پیش نظر رکھ کر تاریخ لکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ یہ عمرانیات کا فلسفہ پہلی بار ابن خلدون نے دنیا کے مفکرین کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس فلسفہ میں موجود علم سوشولوجی SOCIOLOGY کے عناصر بھی شامل ہیں۔ ابن خلدون اپنے مذکورۂ بالا فلسفہ کی تعریف خود ان الفاظ میں کرتا ہے جن کو میں اختصار کے ساتھ خود اس کی عبارت میں ترجمہ کے ساتھ پیش کرتا ہوں:

وکأنّ ھٰذا علم مستقل	گویا یہ ایک خود مستقل علم ہے اور
بنفسہ' فانہ ذوموضوع	وہ موضوع انسانی آبادی اور
وھو العمران البشری و	اجتماعی معاشرت کا ہے جس میں

الاجتماع الانسانی وذو مسائل	بہت سے مسائل ہیں ان میں بہت
وھی بیان مایلحقہ من العوارض	سے ذاتی عوارض شامل ہیں اور یہی حال
الذاتیۃ وھذا شان کل علم	سارے علوم کا ہے۔

من العلوم (المقدمہ ص ۲۶۵)

"عوارض ذاتیہ" سے اس کی مراد وہ قوانین ہیں جن کے ذریعہ انسانی سماج اور تاریخ کو سمجھا جاتا ہے۔ آگے چل کر وہ اپنے فلسفہ کی تشریح ان الفاظ میں کرتا ہے:

"ھذا العلم ھو النظر فی المقادیر" یعنی یہ وہ علم ہے جس کا موضوع تاریخ کے فیصلوں پر نقد ونظر ہے۔

ابن خلدون خود کہتا ہے کہ ہمارے سماجی اور عمرانی نقطہ نظر کی مثال کسی تاریخ میں اور کسی مورخ کی بحثوں میں نہیں ملتی۔ وہ لکھتا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی شخص نے ایسی بحثیں کی ہوں، یہ فلسفہ پیش کیا ہو مگر وہ فلسفہ اور وہ نقطۂ نظر ہم تک نہیں پہنچ سکا۔

مگر سچی بات یہ ہے کہ ابن خلدون تاریخ کے عمرانی اور سماجی حلقہ کا موجد ہے۔ اس سے قبل کسی نے ایسی عالمانہ بحثیں فلسفۂ تاریخ کے بارے میں نہیں لکھیں جس طرح کہ ابن خلدون نے اس فلسفہ کو مقدمۂ تاریخ کتاب العبر میں پیش کیا ہے۔ اس نے علم جغرافیہ کے علاوہ سماجی زندگی کے عناصر کو تاریخ نویسی کا جز قرار دیا ہے۔ پھر اقتصادیات سے بھی اس نے تعرض کیا ہے۔ ٹیکس اور اس کے اثرات سے بحث کی۔ اس نے ملکوں اور شہروں کی ویرانی، اقتصادی زندگی کا بحران اور سلطان کے عطایا کی کمی سے ان دونوں پہلوؤں کے باہمی ربط سے بحث کی ہے اور ان تمام بحثوں میں اصول و قوانین کو بھی پیش کیا ہے۔

بنیادی فلسفہ ابن خلدون قوموں کی اجتماعی زندگی کی باہمی کشمکش سے استنتاج

کرتا ہے، وہ قومیں جو دوسری قوموں سے مل کر اور اس کے ملاپ اور ان سے کشمکش کے نتیجہ میں نتائج حاصل کرتی ہیں وہ نتائج مختلف ہوتے ہیں ان تاریخی اور سیاسی نتائج سے جو اس قوم کو پیش کرتے ہیں جس کی کشمکش کسی دوسری قوم سے کبھی نہ ہوتی ہو۔ افراد اور جماعتوں میں قوموں کی کشمکش کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ دوسری قوموں سے کشمکش سے الگ رہنے والی قوم کی ذہنی زندگی بالکل مختلف ہوتی ہے اس قوم کے مقابلہ میں جس نے کشمکش اور احتکاک کی زندگی گزاری ہو۔

مختصر الفاظ میں ابن خلدون کا فلسفہ یہ ہے کہ تاریخ میں شواہد موجود ہیں اور جو مواد موجود ہے اس کے اندر عمرانیاتی اور اجتماعی عناصر کا مطالعہ کیا جائے۔

دوسرا اصول اس فلسفہ کا یہ ہے کہ عملی طور پر اس مواد کی تحلیل کرکے اجتماعی زندگی کے قوانین کو اخذ کیا جائے یعنی موجودہ تاریخی مواد سے اجتماعی زندگی کے قوانین کا استخراج کیا جائے۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ جب ایک قوم کسی دوسری قوم کے سامنے جھک جاتی ہے تو وہ محض اپنی آزادی اور حریت ہی نہیں کھو بیٹھتی بلکہ وہ اپنی شخصیت کھو دیتی ہے اور یہ کیفیت مغلوب قوم کی تہذیب بلکہ خود اس کے فنا ہو جانے اور تنقیص نسل و فکر پر منتج ہوتی ہے۔ اس نے صاف لکھ دیا ہے کہ اگر کوئی قوم کسی دوسری قوم سے مغلوب ہو جاتی ہے تو بالآخر فنا کے گھاٹ اترنے لگتی ہے۔ (مقدمہ: ۳۵۱-۳۵۳)

مغلوب قوم کی آبادی کم ہونے لگتی ہے اور فکری طاقتیں بھی روبہ زوال ہو جاتی ہیں

مغلوب قوم کی نفسیات بدل جاتی ہے کسل اور عدم نشاط کا وہ شکار ہو جاتی ہے۔

اس نے انسان کی معاشی زندگی اور تعلیمی زندگی پر بھرپور روشنی ڈالی ہے اور اس نے

سماجی زندگی سے پوری طرح استنتاج کیا ہے۔ اس نے اپنی بحثوں میں تاریخ سے مثالیں بڑی کثرت سے پیش کی ہیں۔

اسلوب بیان

ابن خلدون نے اسلوب بیان سے تعرض کئے بغیر رواج اور اپنے عصر کے مزاج کے خلاف بغاوت کی اور ایک ایسا فطری اسلوب اختیار کیا جس میں سادگی، صفائی اور وضاحت تھی۔ اس نے صنائع و بدائع سے احتراز کیا، تشبیہات اور استعارات سے اجتناب کیا۔ اپنی معنوی بحثوں کو نہایت سادہ زبان میں پیش کیا۔ وہ خود اس سلسلے میں رقمطراز ہے کہ:

"جب میں سرکاری رسائل لکھتا تھا تو اس زمانہ میں جو خطوط بھی میں نے لکھے ان میں سادہ زبان کو میں نے استعمال کیا میں نے انفرادیت اختیار کی اور اہل زبان میری تحریروں میں اجنبیت محسوس کرنے لگے اس لئے کہ اس میں سجع و قافیہ نہ ہوتا تھا۔"

(التعریف ص ۷)

حق یہ ہے کہ ابن خلدون ایک نئے اور حقیقی علمی اسلوب کا موجد ہے۔ اس نے علم بدیع اور محسنات لفظیہ و معنویہ کو بالائے طاق رکھ کر نہایت فطری اسلوب اختیار کیا اور جس طرح اس نے اپنے افکار میں عبقریت کا اظہار کیا اسی طرح اس نے اپنے اسلوب میں بھی انفرادیت اور عبقریت کی ترجمانی کی ہے۔

عربی زبان وادب

عربی زبان و ادب کے بارے میں ابن خلدون مخصوص نظریات کا حامل ہے۔ اس نے اپنے زمانہ سے ہٹ کر ایسے نظریات پیش کئے ہیں جو اس کی فکری بصیرت پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ زبانیں سب ملکات پر مبنی ہیں جو زبان کے ذریعہ معانی کی تعبیر کو پیش کرتی ہیں۔ زبان کے نقص و کمال کا

انحصار ملکہ کے نقص و کمال پر منحصر ہے۔ مفرد الفاظ پر اس کا انحصار نہیں ہے بلکہ عظمت کا انحصار تراکیب و قالب پر ہے۔ جب مفرد الفاظ کو مرتب بنا کر تراکیب کی شکل میں معانی مقصودہ کی تعبیر کے لئے پیش کیا جاتا ہے تو زبان پر ملکہ کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر کلام میں مقتضائے حال کی رعایت بھی ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ یہی بلاغت ہے تاکہ سامع پوری طرح استفادہ کر سکے۔ ابن خلدون نحویوں اور ادبا میں فرق ملحوظ رکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نحوی ایک صفت جانتا ہے مگر عملاً پیش نہیں کرتا لیکن کلام عرب کو حفظ کرنے والے زیادہ بہتر انداز سے تعبیر کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ بلاغت ایک قدر مشترک ہے تمام اصحاب ادب میں جو کہ تعبیر پر قادر ہے۔ ابن خلدون فصیح لہجہ اختیار کرتے ہیں۔ جس کو عوام سے اور اہل بدو سے اخذ کرتے ہیں۔ اس طرح ابن خلدون ادب کا ایک وسیع تصور پیش کرتے ہیں۔ مورخ نحویوں کے جامد قوانین سے آگے بڑھ کر زبان و ادب کے ان پہلوؤں کو دیکھتا ہے جن کا تعلق عوام الناس سے ہے۔ وہ لہجہ پر غور کرتا ہے اور معاشرہ کے ذوق پر نظر رکھتا ہے۔ بدوی اور شہری ذوق کا فرق ملحوظ رکھتا ہے۔ ابن خلدون لغت، بلاغت اور ادبی استعداد میں اس فطری ملکہ کو ملحوظ رکھتا ہے جو تہذیبی زندگی میں تکرار و تمرین سے پیدا ہوتا ہے۔

عبدالحمید یونس ایک فرانسیسی ناقد کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "ابن خلدون نے مقدمہ کے آخر میں قصائد اور گیت لکھے ہیں جو عامیہ زبان میں ہیں۔ اس کا امکان بھی ہے کہ وہ اشعار خود ابن خلدون کے ہوں، جو لوگ تصور کرتے ہیں کہ یہ اشعار بعد میں کسی شخص نے گڑھ کر کتاب کے آخر میں لگا دئے ہیں ان کو وہ خطی نسخہ مقدمہ کا ملاحظہ کرنا چاہئے جو مصنف کے دور کا لکھا ہوا ہے اور شہر فاس میں قروین کی لائبریری میں موجود ہے"۔

انہوں نے خود ادب کی تعریف یہ کی ہے کہ ادب کا مقصود حسن کا ثمرہ ہے، جو منظوم و منثور اسالیب میں عمدگی و رشاقت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ملکہ اشعارِ عرب کے حفظ کرنے سے اور وسیع مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ باوجود عظمتِ فن کے احساس کے وہ اپنے دور کے اثرات سے بالکل آزاد نہ ہو سکا۔[1]

چونکہ مقدمہ ابن خلدون کا آخری باب عربی زبان و ادب کے بارے میں ہے اس بنا پر اس مقالہ میں آخری بحثیں زبان و بیان کے بارے میں کی گئی ہیں۔ البتہ باوجود ابن خلدون کے دعوی کے کہ انہوں نے سجع و صنائع کو چھوڑ دیا ہے ان کے یہاں سجع کا استعمال جا بجا نظر آتا ہے جس کا ثبوت خود کتاب العبر کا نام ہے جس میں سجع کی وجہ سے بڑا تصنع پیدا ہو گیا ہے۔ یہ ان کے دور اور ان کے معاشرہ کی آواز باز گشت ہے۔ ورنہ انہوں نے بہت سے تقلیدی بندھنوں کو توڑا ہے اور نئے فکری آفاق ہمارے سامنے کھول دئے ہیں۔ ان کے فکر کی عظمت اور گہرائی کا اندازہ مقدمہ کا مطالعہ کرنے والا آسانی سے کر سکتا ہے۔

ہر لحظہ نیا طور، نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو کم

اس مقالہ کا بڑا حصہ ڈاکٹر علی عبد الواحد وافی صدر شعبۂ فلسفہ و عمرانیات کلیہ آداب جامعہ قاہرہ کے مقالہ مقدمہ ابن خلدون سے مستعار ہے۔ ملاحظہ ہو مجلہ تراث الانسانیہ مجلد اول، شمارہ ۳ قاہرہ مصر مارچ ۱۹۶۳ء ص ۲۸۶ تا ۳۰۳۔

---

[1] مجلۃ الثقافۃ دمشق مئی ۱۹۸۷ء، مقالہ الادب الشعبی عند ابن خلدون از عبد المجید یونس ص ۱۴-۱۵۔

نور محمد شاہ کامیاب

از ڈاکٹر زید نور اللہ*

شیراز ہند جونپور سے نہایت باکمال علماء، صوفیہ اور شعرا و ادبا وابستہ رہے ہیں۔ مگر شرقی اور مغل سلاطین کی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ اس خطہ کی بزم علم و فضل بھی درہم برہم ہونے لگی اور اب ان کے باقیات و آثار بھی معدوم ہوتے جارہے ہیں۔

نور محمد شاہ کامیاب کا تعلق بھی اسی شیراز ہند سے تھا، جن کے ذکر سے افسوس ہے تاریخ و تذکرہ کے صفحات عموماً خالی ہیں۔ اتفاق سے راقم الحروف کو ان کے گاؤں بھادوں ضلع اعظم گڈھ میں جانے اور ان کے بعض آثار و تبرکات دیکھنے کا موقع ملا اور ان کے بعض ورثہ سے ان کے کسی قدر حالات و واقعات بھی معلوم ہوئے۔ ذیل میں ان کو اس خیال سے پیش کرنا مناسب معلوم ہوا کہ ممکن ہے آیندہ اہلِ علم خصوصاً تاریخ جونپور پر کام کرنے والوں کو اس سے مدد ملے۔

خاندانی حالات

ابو القاسم نور محمد شاہ کے مورثِ اعلی شیخ عطا تھے، مغل بادشاہ اکبر جب علی قلی خاں والیٔ جونپور کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا تو سکراول کے میدان میں اسے شکست دینے اور الہ آباد پر قبضہ کرنے کے بعد بنارس ہوتا ہوا جونپور آیا تو اس مہم میں شیخ عطا بھی اس کے ہمراہ یہاں آئے اور جونپور کی کشش یہاں ان کے مستقل قیام کا باعث بن گئی چنانچہ اٹالہ مسجد میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ان کے علم و فضل اور زہد و تقوی سے جونپو

---

* لکچرر فارسی شبلی نیشنل انٹر کالج۔ اعظم گڈھ۔

کا حاکم منعم خاں ان سے نہایت متاثر ہوا اور ان کا خاص معتقد ہو گیا اور ان کے گزارے کے لئے نواح جونپور میں قصبہ صبر حد کا علاقہ ان کے لئے مختص کر دیا، اس میں ایزدی پور، سدھائی، رفیع پور، ملنا پور اور بیر گڈیہہ وغیرہ قصبات اور قریے شامل تھے۔ اس بڑی جاگیر کے مالک ہونے کے بعد بھی شیخ عطا کمالِ استغنا اور بے نیازی سے اٹالہ مسجد ہی میں رہ کر درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کا فریضہ انجام دیتے رہے اور جاگیر کی ساری آمدنی طلبا و مساکین پر خرچ کر دیتے لیکن زندگی کے آخری ایام میں اپنے فرزند شیخ مبارک کے اصرار پر وہ صبر حد میں مستقل قیام کی غرض سے تشریف لے آئے اور اپنے مکان کو ہی درس و تدریس کا مرکز بنایا اور قرب و جوار میں وعظ و تلقین کے لئے بھی جانے لگے، انہوں نے اس وقت مسلمانوں میں رائج بعض غیر اسلامی رسوم و رواج کو ختم کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی ان کی یہ مصلحانہ مساعی بارآور بھی ثابت ہوئیں، ان کے فرزند شیخ مبارک اپنے والد کے صحیح جانشین تھے اور درس و تدریس اور اصلاح خلق میں ان ہی کے نقشِ قدم پر گامزن رہے۔ انہوں نے بھی سادہ زندگی کو ترجیح دی اور جاگیر کا بیشتر حصہ غربا، مساکین اور مسافروں پر خرچ کرتے رہے بعد کی نسلوں میں بھی یہی اثر باقی اور جاری و ساری رہا چنانچہ ان کے ورثہ میں محمد زکریا، عبدالوفا، محمد یحییٰ، شیخ ولی، شیخ ابو اعلی اور نور محمد کے دادا عزیز وغیرہ اپنے زمانہ کے جید عالم ہوئے اور اطراف و جوانب کے لوگ ان سے فیض حاصل کرتے رہے۔ ان کے بعد بھی اوصاف لعل محمد اور ان کے صاحب زادے نور محمد کی زندگی میں بھی نمایاں رہے۔

نور محمد کامیاب کے والد لعل محمد کے عہد میں دربارِ دہلی سے خطاب پاکر نواب سعادت برہان الملک جونپور آیا وہ اس کی علمی و ادبی شہرت سن چکا تھا مگر جب وہ یہاں آیا تو کسی وجہ سے یہاں کے علما اس کی تعظیم کے لئے نہیں آئے۔ اس کی وجہ سے ناراض ہو کر اس نے

علما و مشائخ کی جاگیروں اور جائدادوں کو ضبط کرنے کا حکم دیا، لعل محمد کی جاگیر بھی اس کی زد میں آگئی۔ نواب اہل تشیع میں تھا اور اسے اپنے عقیدہ کی اشاعت میں غلو بھی تھا، چنانچہ جن لوگوں نے شیعیت اختیار کرلی ان کی جائداد محفوظ رہی۔ لعل محمد جاگیر ضبط ہونے کے بعد اپنی باقی ماندہ زمین پر زراعت کرنے لگے۔ ساتھ ہی گاؤں میں ایک دینی مدرسہ قائم کر کے اس میں درس و تدریس بھی دیتے رہے۔ یہی مدرسہ آگے چل کر مدرسہ فاروقیہ صبر حد کے نام سے مشہور ہوا اور اب تک اس کا فیض جاری ہے۔

لعل محمد ۱۸ سال کی عمر میں ظفر آباد کے شریف اور متدین زمیندار ابو سعید کی بیٹی کلثوم بی بی سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ خاندانی شرافت اور دینی تربیت کے اثر سے کلثوم بی بی بہترین اور مثالی رفیقۂ حیات ثابت ہوئیں۔ انہوں نے خوش حالی اور تنگدستی دونوں حالتوں میں اپنے شوہر کا ساتھ اچھی طرح نبھایا۔

ولادت

لعل محمد کی شادی کے ایک سال بعد یعنی ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء میں صبر حد میں ان کے فرزند کی ولادت ہوئی، اس سلسلہ میں یہ روایت بھی ہے کہ خواب میں ان سے ایک بزرگ نے فرمایا اس بچے کا نام نور محمد رکھو یہ اپنے نام کی طرح دنیا میں روشنی بکھیرے گا اور دین محمدی کو پھیلائے گا۔ ان کی سنہ پیدائش سے متعلق ان کے حفید زین الحق کے یہ اشعار بھی ہیں ؎

گیارہ سو بینتالیس ماہی — با کو بہتر دینہ گوسائیں
جنم تنتھی بھو ہیرن دھاوا — گیارہ سو سینتیس پاوا

تعلیم و تربیت

گو نور محمد کی ولادت کا زمانہ سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے بڑا پُر آشوب تھا تاہم اس وقت تک علم و ادب اور شعر و سخن کی گرم بازاری سرد نہیں ہوئی تھی۔ ان کے والدین انہیں اسی قدیم نہج پر تعلیم و تربیت دلانا چاہتے تھے جس نہج پر ان کے

نیک نام اجداد کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی اور جس کی بدولت اس خاندان کی علمی روایت قائم ہوئی تھی۔ نور محمد اکلوتے فرزند ہونے کی وجہ سے والدین کے منظور نظر تھے۔ چار سال کی عمر میں ان کو مدرسہ میں داخل کر دیا گیا، جہاں انہیں شیخ کمال الدین جیسے قابل استاد کی سرپرستی حاصل ہوئی مگر ان کی طبیعت لکھنے پڑھنے سے اتنی بیزار رہتی تھی کہ استاد نے بالآخر اس کی شکایت ان کے والد سے کر کے مزید تعلیم دینے سے معذوری ظاہر کر دی۔ ان کے والد اس شکایت سے اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ انہوں نے غصہ میں نور محمد کو سخت سست کہہ کر گھر سے نکال دیا۔

کہا جاتا ہے کہ والد کی زجر و توبیخ کے بعد نور محمد بھاگ کر گاؤں سے متصل (موضع ارند) کے جنگل میں چلے گئے۔ جہاں ایک درخت کے نیچے ان کو نیند آ گئی آنکھ کھلی تو اپنے سامنے ایک بزرگ کو کھڑے پایا۔ ایک اجنبی آدمی اور مہیب جنگل کو دیکھ کر نور محمد رونے لگے بزرگ نے ان سے جنگل میں آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے روتے ہوئے اپنی بات سنائی، بزرگ نے انہیں تسلی دے کر گھر واپس جانے کے لئے کہا انہوں نے والد کی خفگی کا ذکر کیا تو بزرگ نے دلاسہ دے کر کہا کہ والد ناراض نہیں ہوں گے، ایک دعا بھی بتائی اور کہا کہ اسے پڑھتے ہوئے گھر جاؤ اور ایک کمرے کو صاف کر کے چراغ روشن کر کے خدا تعالیٰ کو یاد کرو میں ہر مصیبت کے وقت میں رہنمائی کروں گا۔

بزرگ کے کہنے پر نور محمد گھر گئے اور والدین کی نظروں سے چھپ کر ایک خالی و تاریک کمرے میں بند ہو گئے، اسے صاف کر کے چراغ روشن کیا اور بزرگ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عبادت میں معروف ہو گئے، نصف رات گزرنے پر وہی بزرگ ظاہر ہوئے اور کچھ ایسی تلقین کی کہ ان کے دل میں حصول علم سے رغبت پیدا ہو گئی بزرگ نے یہ خوش خبری

بھی دی کہ دنیا کے تمام علوم اب تمہاری دسترس میں ہوں گے۔

صبح ہوئی تو نور محمد کمرے سے باہر آئے والدین سے معافی مانگی والدین کو ان کے اس تغیر احوال سے قدرتاً خوشی ہوئی، انہوں نے تعلیم کے لئے پھر مدرسہ بھیجا، شیخ کمال الدین نے نور محمد کو دیکھ کر گذشتہ اسباق یاد کرنے کا حکم دیا اور دوسری طرف متوجہ ہو گئے جب سبق سنانے کا وقت ہوا تو استاد نے دیکھا کہ نور محمد گرد و پیش سے بیگانہ کھوئے ہوئے انداز میں بیٹھے ہیں، استاد نے اس کو غفلت پر محمول کیا اور غصہ میں ان سے سبق سنانے کے لئے کہا جسے نور محمد نے بغیر کسی تامل کے سنا دیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد شیخ کمال الدین نے انہیں عربی و فارسی کی چند بڑی کتابیں پڑھنے کو دیں۔ انہوں نے برجستہ معانی و مطالب کے ساتھ ان اسباق کو بھی حل کر دیا۔ اس قلب ماہیت پر استاد کا حیران ہونا فطری امر تھا چنانچہ انہوں نے ان کے والد کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور مزید تعلیم دینے سے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کی کہ اب یہ بچہ شاگردی کے دور سے گزر چکا ہے اسے کسی استاد کی ضرورت نہیں کیونکہ کوئی محیر العقول طاقت اس کی رہنمائی کر رہی ہے۔

گو عوام میں اس طرح کی مشہور روایتیں عموماً غلو اور عقیدت پر مبنی اور رنگ آمیزی سے خالی نہیں ہوتیں اس لئے یہ روایت بھی چاہے مستند و معتبر نہ ہو تاہم اس سے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ نیک والدین کی تمناؤں و دعاؤں اور خاص تائید ایزدی سے وہ ابتدا سے اس راہ کے سالک ہوئے جس کی منزل بعد کے واقعات سے ظاہر ہوئی۔ چنانچہ ظاہری تعلیم کی بجائے وہ تزکیۂ نفس اور اس علم حقیقی کے جویا ہوئے جس کے ذریعہ معرفت و طریقت کی راہیں روشن ہوتی ہیں اس طلب میں بار بار وہی بزرگ ہمیشہ ان کی رہنمائی کرتے رہے، جب ان کی عمر بارہ ۱۲ سال کی ہوئی تو ظاہری تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس موقع پر ان کے غیبی بزرگ

نے ان کو مثنوی "اندراوت" اور کامیاب ازدواجی زندگی کی بشارت بھی دی، یہ بزرگ کون تھے، کیا نام تھا اس کی صراحت نہیں ملتی تاہم ان کے روحانی استاد کی حیثیت سے نصیر الدین شاہ کا نام ملتا ہے۔

روحانی استاد نصیر الدین شاہ مشہور صوفی بزرگ تھے۔ انہوں نے نور محمد کو ابوالقاسم کا لقب بھی دیا تھا۔ نور محمد نے اپنی بھوجپوری مثنوی اندراوت میں اپنے استاد اور ان کے روضے سے عقیدت کا اظہار کیا ہے:

کوئی استھان کتنہ جیوں ٹھاؤں　　سو وہ ٹھاؤں صبر حد ناؤں

پورب دیس کوی لاس سمانا　　اہی نصیر الدین کو ستھانا

بعض اہلِ قلم نے نصیر الدین کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی ہے۔ ان کے متعلق بعض مختصر معلومات اس طرح ہیں۔ وہ ایک صوفی منش انسان تھے، ان کا مقبرہ صبر حد کے پورب میں خستہ حالت میں آج بھی موجود ہے۔ سرکاری کاغذات میں روضے کا رقبہ ۲ دو ڈسمل درج ہے۔ مقبرے کے جنوب میں ایک تالاب ہے جس کا نام ساگر ہے۔ اس کا رقبہ ایک ایکڑ چالیس ڈسمل ہے۔ اس سے قریب میں ایک مسجد کا کھنڈر ہے۔ ان کے روضے کی دیکھ بھال کے لئے ایک ایکڑ ۲۷ ڈسمل زمین وقف کی گئی ہے جس کی تفصیل ۱۲۹۱ فصل کے مطابق ۸۴-۱۹۸۳ کی کھتونی میں ملتی ہے۔ شاہ صاحب کے روحانی کمالات کے قصے آج بھی مقامی لوگوں کی زبان پر ہیں اور ان کے روضے پر پنجشنبہ کو خاصا مجمع نظر آتا ہے۔

ایک اور مرشد نور محمد کے دوسرے ممتاز مرشد و محبوب حضرت مولانا شاہ ابوالغوثؒ گرم دیوان تھے، چشتی مسلک کی تعلیمات کا سرچشمہ وہی ہیں اور ان سے ہی نور محمد کو اس سلسلہ کی اجازت و خلافت حاصل ہوئی۔

رشتۂ ازدواج نورِ الٰہی کی جستجو میں جب نور محمد کی سرگردانی اس حد تک بڑھ گئی کہ ان پر بے خودی کی کیفیت ہر وقت غالب رہنے لگی تو ان کے والد نے احباب کے مشورہ سے فیصلہ کیا کہ اب ان کو رشتۂ ازدواج سے منسلک کر دیا جائے چنانچہ قصبہ بھادوں کے ہی ایک بزرگ خانوادے سے تعلق رکھنے والے شمس الدین حیدری کی صاحبزادی سکینہ بی بی سے ان کا عقد مسنون شعبان ۱۱۶۵ھ بمطابق ۱۷۵۸ء میں کر دیا گیا، والد کی وفات کے بعد نور محمد نے قصبہ صبر حد کو خیرباد کہہ کر بھادوں میں مستقل سکونت اختیار کی۔

اولاد ان کے دو صاحبزادوں نصیر الدین اور غلام حسین کا ذکر بعض تذکروں میں ملتا ہے۔ لیکن ان کی ایک کتاب تحفۃ النصائحؑ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تیسرے صاحبزادے ابوالفتح نامی بھی تھے جن کے لئے انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی جو پند و نصائح پر مشتمل ہے جس شجرے میں صرف صاحبزادوں کا ذکر ہے۔ اس کے مرتب کو غالباً سہو ہوا ہے۔ مرتب شجرہ زین الحق نور محمد کی ساتویں پشت میں آتے ہیں۔

سلسلۂ تصوف ابوالقاسم نور محمد شاہ کے خسر شمس الدین حیدری مولانا غلام احمد بن شاہ ابوالفتح بن شیخ نظام الدین بن شیخ فتح اللہ بن شیخ راجو قتال کے مرید و خلیفہ تھے۔ بعد میں وہ مشہور بزرگ مولانا شاہ ابوالغوث گرم دیوان لہراوی کے مرید و خلیفہ ہوئے۔ نور محمد اپنے خسر کے ذریعہ سلسلۂ چشتیہ سے منسلک ہوئے۔ مناقب غوثی میں سلسلۂ چشتیہ سے منسلک ہونے کے متعلق لکھا ہے:

"اما بعد فیقول راجی الی رحمۃ رب الارباب نور محمد کامیاب غفر اللہ لہ ولوالدیہ کہ چون این احقر الانام درین فرخندہ انجام بدریافت سعادت عتبہ علیہ حضرت قبلہ اقطاب و افراد محبوب الرحمٰن شاہ ابوالغوث گرم دیوان مدظلہ السامی

بہرمند دارین گردید و بشرف ملازمت قبلہ کونین مشفقی مکرمی شیخ شمس الدین حیدری

مشرف گشتہ۔"

شاگرد و ہمعصر نور محمد کے شاگردوں کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں ملتا مگر ان کے خواہر پسر بھائی شمس الدین حیدری کی تصنیف "مناقب غوثی" سے ضرور کچھ معلومات فراہم ہوتی ہیں اور بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نور محمد لوگوں کی تصانیف وکلام پر اصلاح دیا کرتے تھے مقدمہ کی حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

"شیخ مذکور کتاب "مناقب غوثی" را در احوال آن حضرت تصنیف نمودہ اند و باعث مشغول خدمات آستانۂ متبرکہ و کثرت امور ضروری فرصت نمی یافتند تا بنظر ثانی محاسن و قبائح عبارات و معانی ملحوظ نمایند لهذا باین بندہ فرمودند کہ این کتاب را ہمراہ خود بردہ بنظر ثانی تصحیح باید کرد کہ موجب سعادت دارین است بندہ این مقدمہ را سرمایۂ سعادت خود دانستہ بدل و جان قبول نمودہ در تصحیح ساعی گردیدہ و در بعض محل را جانب خود فائدہ مندرج ساخت و اشارت بلفظ فائدہ کرد۔"

ان کے شاگردوں میں ضیا بخشی کا نام ملتا ہے خود انہوں نے اپنی کتاب حکایات الدرایات میں اس کا اظہار کیا ہے۔ وہ اس عہد کے نامور شاعر و ادیب تھے۔ اہل تصوف میں بھی ان کا مقام بلند تھا۔ ان کی قلمی تصنیف خستہ حالت میں دستیاب ہوئی ہے جس کا حجم ۳۶ × ۲۳ / ۸ ہے:

"ضیا بخشی کہ قانون ترکیب شوقی را اصلاً مراعات نہ کردہ و آغاز داستان و انجام حکایت را از جائی برداشتہ بی استعمال فرو گذاشتہ و معرفت اہل بلاغت بر نگماشتہ و معنی آن معطل داشتہ چنانچہ قاری از مقصود و راحت باز می ماند و سامع مطلوب استراحت

فوت می شود اگر برادرم نور محمد تو این اصل را کہ اصول کتب ہند است بعبارتی موجز و استعاراتی مسلسل و ترتیبی لایق بنویسی کہ بر قاری و سامع او منت بہ نہایت ثابت کردہ باشی۔" بیت ؎

اعلام کار را فراشتن پس تخم کاری کاشتن	این ہست کاری دیگری این کار تست این کار تو

کیا نور محمد شیعی تھے؟ ہندی محققوں میں آچاریہ پنڈت رام چندر شکل۔ آچاریہ چندر بلی پانڈے۔ مسز سرلا شکل اور ڈاکٹر کنہیا سنگھ نے نور محمد کو شیعہ فرقہ کا معتقد مانا ہے لیکن راقم الحروف کے خیال میں یہ درست نہیں کیونکہ ان کی تصنیفات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ان کی مشہور مثنوی اندراوت و انوراگ بانسری ہے اور اندراوت میں موجود ایک دوہے سے ان کا سنی ہونا بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

چار یار چاروں جس تارے	دین گگن اوپرا جیارے
ابوبکر اور عمر بکھانوں	عثمان بہوری علی کو جانوں

نیز انہوں نے اپنی مثنوی ہفت بحر کے ص ۴ پر چاروں خلفاء کی تعریف یوں کی ہے:

بر اصحاب او ہم ہزاران درود	خصوصاً بران چار دریای جود
ابوبکر صدیق ہم یار غار	شد اسلام اول از و آشکار
عمر عدل را ساخت رونق پذیر	بر افتادۂ راشدہ دستگیر
سیوم یار عثمان پاکیزہ خوی	حیا یافتہ زندگانی از وی
چہارم علی بود شیر خدای	دلیر و جوان مرد پاکیزہ رای
بہر چار یارش قوی گشت دین	تو در شان یاران او ج مبین

مثنوی کے ان اشعار سے ثابت ہے کہ شیعیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

اسی طرح انہوں نے اپنی مثنوی روضۃ الحقائق ص ۱۶۵ پر حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ماتم نہ کرنے کی تلقین کی ہے ملاحظہ ہو:

سبطِ پیمبر حسینِ ذوالعلا   کشتہ گردید بدشت کربلا
ماتم او تازہ می گردد ہنوز   مرثیہ خوانند باگریہ وسوز
لیک اندر این زمانہ جاہلان   دور افتادند از آداب آن
مرثیہ خوانند زان گونہ کزو   می سزد خرد آن تابندہ رو
رسمِ ماتم آن چنان آورند   کہ سزد کز رو شکایتہا برند
الحذر زینگونہ ماتم الحذر   رنج گردد روحِ شبیر وشبر

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ نوحہ وماتم جو فرقۂ شیعہ کا خاص امتیاز ہے اس کو وہ پسند نہیں کرتے تھے، سلسلۂ چشتیہ سے ان کا تعلق بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ شیعہ نہیں ہوسکتے تھے، علاوہ ازیں ان کے خاندان میں بھی اس مسلک کا کوئی اثر نہیں دکھائی دیتا۔

پنڈت رام لوچن تیواری نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ ایک حقیقی شیعہ تصوف کا سخت مخالف ہوتا ہے، اگر نور محمد شیعہ ہوتے تو تصوف کی دنیا میں قدم کیوں رکھتے۔ پنڈت جی کا یہ بیان اگر لوگوں کے پیشِ نظر ہوتا تو وہ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے۔ ڈاکٹر شمس عالم نے اپنی تصنیف "نور محمد اور اندراوت" میں ان کو سُنی مسلمان ہی ثابت کیا ہے۔

شاعری

نور محمد نے اپنی شاعری کا آغاز ۱۲ سال کی عمر میں کیا اور اس کے محرک وہی بزرگ تھے جنھوں نے جنگل میں ظاہر ہوکر ان کی قلبِ ماہیت کی تھی مثنوی اندراوت ان ہی بزرگ کی ایما پر لکھی گئی۔ یہ چھ سال کی سخت محنت کے بعد مکمل ہوئی۔ وہ خود کہتے ہیں:

سن اگیارہ سی اہو ستاون اپرانھ   لاکیو بھاکھی پوتھی پای پیتی کو بانھ

یہ مثنوی دو۲ حصوں میں ہے پہلے حصے میں ۱۸ ابواب اور دوسرے میں ۳۶ ابواب ہیں۔ نور محمد نے ہندوستانی عوام کے ذہن و مذاق کی رعایت کرتے ہوئے مثنوی میں ہندو راجوں مہاراجوں اور دیوی دیوتاؤں کی کہانیوں سے بھی اپنے خیالات کے اظہار میں مدد لی، لیکن اس کی وجہ سے ان کو بے دین کہا جانے لگا تو انہوں نے اپنے مخالفین کا جواب اس طرح دیا۔

جانت ہے وہ سرجنہارا   جو کچھ ہے من مرم ہمارا
ھندو مگ پر پاؤں نہ راکھیوں   کا جو بہتیں ہندی بھاکھیوں
من اسلام مسلکے ماجیوں   دین جیوری کرکس بھاجیوں
جہاں رسول اللہ پیارا   امت کا مکتا ون ہارا
تہاں دوسرو کیسے بھاویں   جچھ اسور سور کاج نہ آویں

مثنوی کا آغاز شاعر نے حمد باری تعالیٰ، نعتِ رسولؐ اور منقبت سے کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

ھمی اکیل وہ سرجنہارا   جانت ہے پرکت گپت ہمارا
کیٹھ لگن رب بس مرمیرا   کوؤ نہیں جوری تہ کیرا
کیٹھا رات ملی سکھ تاسوں   کینہاں دن کارج ہے جاسوں

اندراوت کو مکمل کرنے کے بعد انہوں نے ایک نئی مثنوی "نل دمن" لکھی جو اب نایاب ہے۔ ان کی تیسری مثنوی انوراگ بانسری کے بعض اشعار سے نل دمن کا سُراغ ملتا ہے۔

چھاڈی پارسی کند نواتیں   ارسانا ہندی رس باتیں

آگی ہندی سمندر تر بہا کھا اندراوت جو جانا
پہیر کہا ئل دس کہانی کون کناوی دوسر بانی

مثنوی انوراگ بانسری کے متعلق کہتے ہیں:۔

یکھ اکیارہ سے اٹھتر پہیر سنا یو د بچن منوہر
تا سن کی ابہلا کہ بڑھادا جا سوں پہیر سو چن سنادا
کرت دِچت چت لی راگ سنائی ادا انوراگ بانسری مدھر بجائی

یہ مثنوی بھی اندراوت کی طرح حمد باری تعالیٰ، نعت و منقبت سے شروع ہوئی ہے۔ ان مثنویوں کے مضامین قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔ کیونکہ شاعر کا مقصد تبلیغ اسلام تھا۔ مثلاً اندراوت میں حشر اور جزا و سزا کا بیان اس طرح کیا ہے۔

کرنی لکھا جائے سب کوئی بہت کلیس پر سرتا کون (انشقاق: ۱۲)

خدا کی وحدانیت کا ذکر اس طرح کیا ہے:

ہی وہ ایک جکت اپرا جا جوں دوئی ہوت بنت نہیں کا جا
کرتا تیں و دوئی نا نہیں ایکی ہی دوؤ جگ ما نہیں
جو کچھ کرت نہ پونچھا جائی پونچھا جائی جنم جنیں پائی (انبیاء: ۱۷)

انوراگ بانسری میں بھی یہی طرز موجود ہے۔

کا ابھیمان بات میں کہا گرب کہیں جک کوؤ نہ لہا
بچن ارتھ سندر پا را سپورن کوؤ ترمی نیارا (لقمان: ۱۸)

اندازہ ہوتا ہے کہ جب ان پر ہندومت سے متاثر ہونے کا شور زیادہ ہوا تو انہوں نے ہندی چھوڑ فارسی کو شاعری و اظہار خیال کا ذریعہ بنایا جیسا کہ خود کہتے ہیں۔

دیکھ چمن من وگسار جھاڑا پیچ امول شبد
دستا پر ہندی بچن بھئی فارسی بول شبد

دوسری جگہ کہتے ہیں:

گوھوں فارسی فارسی موی ہندی تاگ مجھار اب ہندی مانک سوں گوہوں سنوار وہار

لہذا انہوں نے ۱۳۰۰ھ میں مثنوی "ہفت بحر" کی تصنیف شروع کی اور ۱۳۰۲ھ میں اس کو مکمل کیا جیسا کہ اس شعر سے واضح ہے۔

درین سال ہجرت کہ آمد ہزار براں دوصد افزوں در آمد شمار
برفت از دویم صد کنوں پنجاہ بدہلی است عالی گہر بادشاہ
رواں کردہ ام مرکب خامہ را بیا و نظارہ کن این نامہ را

ہفت بحر کے بعد انہوں نے ۱۳۰۴ھ میں روضۃ العاشقین کی تصنیف شروع کی اور اسے ایک سال میں مکمل کیا۔ شعر ملاحظہ ہو:

دریں سال کہ آمد ہزار و دو صد چہار است افزوں ز روی عدد
تمنای تصنیف در سر فتاد جہاں آفرینم مدد کار باد
بیا و نگر روضۃ العاشقین کہ ہست او یکی شاہد نازنین

۱۳۰۵ھ میں نور محمد نے روضۃ الحقایق کی تصنیف کی جیسا کہ اس شعر سے واضح ہے۔

یکہزار و دوصد و پنج است سال سال ہجرت ای مہ نیکو خصال
آمد اندر سخن سنجی دگر یاری خواہم ز حق دادگر

یہ ساری مثنویاں اس عہد کی روایت کے مطابق حمد باری تعالیٰ اور نعت و منقبت سے شروع ہوئی ہیں۔

تصانیف ان مثنویوں کے علاوہ نور محمد نے عربی و فارسی نثر میں بھی بعض تحریریں یادگار چھوڑی ہیں۔ عربی تحریروں میں فقہ و حدیث پر ان کی کتاب کا ذکر ملتا ہے۔ فارسی زبان میں ان کی تفسیر کا بھی پتہ چلتا ہے، مگر اب یہ عنقا ہے۔ نثر میں ان کی تحریروں کی اجمالی فہرست درج ہے۔

دارالشفاء: اس کا موضوع امراض انسانی ہے اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

تاریخ شمشیر خانی: شاہنامہ کے طرز پر نثری داستان جس میں ایران کے قدیم بادشاہوں کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔

تحفۃ النصائح: یہ گلستان کے طرز پر پند و نصائح پر مشتمل ہے جسے انہوں نے اپنے بیٹے ابوالفتح کے لئے لکھا تھا۔

رسالہ رنگین: یہ رسالہ سیاہی بارود اور رنگوں سے متعلق ہے۔

مکتوبات شمس الدین: یہ ان کے پیر بھائی کے خطوط کا مجموعہ ہے۔

رسالہ پخت: یہ رسالہ کھانے کے طریقوں اور اچار و مربہ بنانے کے متعلق ہے۔

ارتفاع: یہ کتاب حضرت علیؓ کی کرامات و معجزات پر مشتمل ہے۔

رسالہ دعائے عافیت: یہ رسالہ جن و انس اور حشرات الارض کے شر کو دفع کرنے سے متعلق ہے۔

ان کے علاوہ فارسی غزلوں پر مشتمل ان کا دیوان "شرف نامہ" کے نام سے ہے۔

تخلص انہوں نے اپنی مثنویوں اور دیوان میں کہیں نور محمد کہیں شفیعی اور اکثر کامیاب تخلص استعمال کیا ہے۔ مثلاً اندراوت۔

نور محمد جیبھ سوں کہے نہ ماتم ہوئے　　جیو سوں کہو ماتم کتھا آنکھن سوں ردی

انوراگ بانسری: کامیاب کنٹھ کون جگاوا　　پھر بندی بھاکھے پہ آوا

ہفت بحر: خدایا ز درگاہ تو کامیاب　　امیدی بدار د برای ثواب

روضۃ العاشقین: نگاہ کرم کن برین کامیاب　　کرتا یابد او اجر حسن المآب

روضۃ الحقائق: ساختن سیراب تشنہ را آب　　نیکی باشد بر حق کامیاب

غزل: پرسید ازاں شوخ دلآرام شفیعی　　کان نمکی یا شکری گفت کہ ہر دو

لیکن کامیاب ہی ان کا خاص تخلص تھا۔ دارالشفاء (بحرالحیوان) میں ان کی یہ تحریر ملاحظہ ہو:

"بعد سپاس بیقیاس خدائے تعالیٰ حکیم شافی بیہماں درود و سلام بیحد جناب زبدۂ رسالت رسول اللہ علیہ السلام چنین گوید بندۂ ضعیف و نحیف" نور محمد کامیاب ... کہ این رسالہ موسوم بہ بحرالحیوان در بیان امراض و معالجات صورت ترقیم یافتہ"

محمد شاہ کی مدح نور محمد نے اندراوت میں مغل بادشاہ محمد شاہ کی مدح کی ہے ملاحظہ ہو یہ شعر

کہوں محمد شاہ بکھانو　　امہی سورج دہلی سلطانو

دھرم پنتھ جگ بیچ چلاوا　　نبرنہ سبری سوں دکھ پاوا

پھریں سلاطین جگ کیری　　ایس ہانس بنی ہیں جیری

رہی شاہ بٹ دھرم بڑھاوی　　جہ بیہران مانکھ سکھ پاوی

سب کاہو پہ دایا دھری　　دھرم سہت سلطانی کری

دھرم بھلو سلطان کون دھرم کری جون شاہ

سکھ پاویں مانکھ سب سب کو ہوی نباہ

وفات ان کے سنہ وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ سید اقبال احمد جونپوری نے اپنی

کتاب "شرقی دور میں جونپور کی تاریخ" میں نور محمد کی وفات ۱۸۳۳ء تحریر کی ہے۔ جناب محمد ایوب واقف اس کے برخلاف اپنی کتاب "شعور و ادراک" میں ان کی تاریخ وفات ۱۸۳۳ء بیان کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ انہوں نے ۶۹ سال کی عمر پائی۔ زین الحق پسر ابوالحسن (نور محمد کے پوتے) نے اپنے مضمون" نور محمد شاہ کامیاب اور حالات زندگی" میں بھی یہی سنہ وفات ۱۸۳۳ء رقم کیا ہے۔

ڈاکٹر شمس عالم کی تحقیق بالکل مختلف ہے۔ وہ ان کی تاریخ وفات "رضائے رب" سے نکالتے ہیں۔ اس سے ان کا سنہ وفات ۱۸۰۵ء یعنی ۱۲۱۳ھ ظاہر ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ شعبان میں بروز چہارشنبہ شام کے وقت ان کا انتقال ہوا۔ اس لحاظ سے ان کی عمر ۸۶ سال ہوتی ہے۔

ان کا مقبرہ بھادوں گاؤں کے شمال میں ہریجنوں کی بستی کے نزدیک اسلامیہ مڈل اسکول کے قریب ایک آم کے باغ میں موجود ہے لیکن بڑی خستہ حالت میں ہے۔ ان کے اہل خاندان کو اس کی مرمت کی جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

حوالے

اس مضمون کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتابوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

۱۔ حالات زندگی: نور محمد شاہ (قلمی) ۲۔ مناقب غوثی (قلمی) مملوکہ دار المصنفین اعظم گڈھ ۳۔ ڈاکٹر محمد عمر: عہد محمد شاہ کے شعراء ص ۴۴۔ ۴۔ ڈاکٹر شمس عالم: شیراز ہند کا مایہ ناز صوفی شاعر نور محمد شاہ کامیاب صبر حدی (رسالہ فکر و نظر) ص ۴۳-۴۴ ۵۔ افتخار احمد اعظمی: تابش سہیل ص ۱۔ ۶۔ محمد ایوب واقف: شعور و ادراک ص ۳۶، ۷۔ ڈاکٹر شمس عالم: نور محمد اور اندراوت ص،

۸۔ اندراوت (قلمی) ص ۶۔ ۹۔ اچاریہ پرشوتم چترویدی: صوفی کاویہ سنگرہ ص ۱۵۶۔ ۱۰۔ گنیش پرشاد دویدی: ہندی پریم گاتھا کاویہ سنگرہ ص ۲۳۲، ۱۱۔ ڈاکٹر سرلا شکل: جائسی کے پرورتی ہندی صوفی کوی اور کاویہ ص ۱۵۴، ۱۲۔ ڈاکٹر کنہیا سنگھ: ہندی صوفی کاویہ میں ہندی سنسکرتی کا چترن اور نروپن ص ۵، ۶، ۷، ۱۳۔ نور محمد کا جیون ورت دھرم اور سمپردایہ ص ۷، ۱۴۔ محمد علی حسین اشرفی: لطائف اشرفی ص ۳، ۴، ۱۵۔ نور محمد کا جیون ورت ص ۷، ۱۶۔ مکتوبات شمس الدین (قلمی) ص ۳۶، ۱۷۔ قاضی اطہر مبارکپوری: دیار پورب میں علم و علماء ص ۴۵، ۱۸۔ حکایات الدرایات (قلمی) ص ۶، ۱۹۔ ہندی ساہتیہ کا اتہاس ص ۷۔ ۲۰۔ انوراگ بانسری ص ۱۳، ۲۱۔ سید اقبال احمد: شرقی دور حکومت میں جونپور کی تاریخ ص ۲، ۲۲۔ رام لوچن تیواری: صوفی مت سادھنا اور ساہتیہ۔

اخبار علمیہ

حیدرآباد دکن کے ایک فاضل اور متعدد فقہی کتابوں کے مصنف مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے ایک مکتوب سے معلوم ہوا کہ عربی و دینی مدارس کے فضلاء کی تحقیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور تصنیفی تربیت دینے کے لئے المعہد العالی الاسلامی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے، جس میں قرآن، حدیث، فقہ اور تقابل ادیان کے موضوع پر اختصاص کے درجات بھی ہوں گے، اس کے قیام کی یہ معقول وجہ بھی بیان کی گئی کہ گو مدارس کے فارغین کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا جاتا ہے، لیکن تصنیف و تالیف اور بحث و تحقیق کے میدان میں باصلاحیت افراد کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے اور معیار میں بھی بڑی کمی آگئی ہے، امید ہے ہوشمند اور فعال علماء کی توجہ اور نگرانی میں یہ ادارہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگا، خواہشمند طلبہ مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔

المعہد العالی الاسلامی، قبا کالونی، پہاڑی شریف روڈ، حیدرآباد اے پی ۵۰۰۰۰۵۔

تصنیف و تالیف کے علاوہ اب طباعت و اشاعت کے مسائل بھی کچھ کم نہیں، اردو کے ناشرین کا کیا ذکر، ہندوستان کے اہم اشاعتی اداروں کی زبان پر شکوے گلے ہیں، حالانکہ گزشتہ چند سال میں ہندوستانی اہل قلم کی تحریروں نے بیرون ملک خاصی مقبولیت حاصل کی ہے، تجارتی لحاظ سے بھی ہندوستانی ناشروں کا سودا نفع بخش رہا، گزشتہ سال ۱۵ء۱۲ کروڑ روپے حاصل ہوئے جو سنہ ۹۸ء کے ۶۰ء۶ کروڑ روپیوں کے مقابلے میں تقریباً دوگنے ہیں، ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ

ہندوستانی برآمد کنندگان کے لئے ماحول سازگار ہے، ایک وقت وہ تھا جب کوئی قابل ذکر خریدار یہاں کی مطبوعات کی خواہش بھی نہیں رکھتا تھا، اب ۶۰ فیصد سے زیادہ برآمد کنندہ ترقی یافتہ ممالک کے بازاروں میں داخل ہو چکے ہیں، ان یوروپی ملکوں میں آرٹ، مذہب، ثقافت اور فلسفے کی کتابیں زیادہ مقبول ہیں، البتہ سارک ممالک میں ہندوستان کی شایع کردہ نصابی کتابوں کی مانگ اب بھی سب سے زیادہ ہے، ہندوستانی ناشر کبھی صرف گائیڈ بکس تک محدود تھے، اب علمی و تحقیقی کتابوں سے بھی ان کی شناخت ہونے لگی ہے، خاص بات یہ ہے کہ ہندی، گجراتی اور اردو کی کتابوں کی طلب میں بڑا اضافہ ہوا ہے، ان روشن پہلوؤں کے باوجود یہ احساس عام ہے کہ زیادہ قیمت اور طباعت کے نسبتاً پست معیار کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی نہیں حاصل ہو سکی ہے، بین الاقوامی بازار کتب میں ہندوستانی کتب کی قیمت کئی گنا زیادہ سمجھی جاتی ہے، اس کی وجہ طباعت اور کاغذ کی غیر معمولی قیمت اور تربیت یافتہ عملہ کی کمی ہے، چند برسوں میں کاغذ گراں سے گراں تر ہوتا رہا ہے، عالمی بازار میں مناسب قیمت رکھنے کے لئے کاغذ کی گرانی کو حد اعتدال میں رکھنا سب سے زیادہ ضروری ہے۔

عالمی وجہ یہ بھی ہے کہ ناشرین دوسروں کے برخلاف اپنی مطبوعات کے کیف و کم پر قانع ہو جاتے ہیں بہتر شکل اور لایق و تربیت یافتہ افراد کی خدمات کی اہمیت ان کے نزدیک اب بھی کم ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اپنی مطبوعات سے دوسروں کو کامل طور پر باخبر اور واقف کرانے کے فن میں بھی بہت پیچھے ہیں، جب کہ عالمی بازار کے ہر اہم کتب فروش تک رسائی نہایت ضروری ہے، ناشرین کی نظر میں ملکی قارئین سے زیادہ بیرونی قارئین کی پسند و ناپسند ہونی چاہئے، اس سلسلے میں ملک کے ممتاز اشاعتی اداروں کے ذمہ داروں نے چند تجویزیں بھی رکھی ہیں، مثلاً بین الاقوامی نمائشوں اور کتابوں کے میلوں میں بک اسٹال لگانے سے زیادہ ضرورت ہے کہ ای میل اور انٹرنیٹ کے ذریعہ کتابوں کو متعارف کیا جائے، سرکاری سطح پر ثقافتی تبادلوں میں فنون لطیفہ کے مظاہرے

علاوہ کتابوں کو خاص طور پر پیش کیا جائے، کتابوں پر کریڈٹ کی میعاد میں بھی اضافہ ہو، ریزرو بنیک آف انڈیا کے اصول کے مطابق بین الاقوامی نمائشوں سے ۱۸۰ دنوں میں کریڈٹ کی وصولی ضروری ہے، حالانکہ بیرونی بازار کا رویہ مختلف ہے، ان میں زیادہ تر فری ٹریڈ زون ہونے کی وجہ سے کریڈٹ ٹائم کی حد بندیوں سے آزاد ہیں، جبکہ ہمارے ہاں مختصر وقت کی وجہ سے باہر کے تاجر دور ہی رہتے ہیں، یہ مطالبہ بھی کیا گیا ہے کہ کاغذ کو درآمدی ڈیوٹی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے جس سے کتابوں کی قیمت خاصی کم ہو سکتی ہے۔

چند سال پہلے کولمبیا یونیورسٹی کے دو ماہرین علم طبقات الارض ولیم ریان اور والٹر پٹ مین نے طوفان نوحؑ کے متعلق اپنی تیس سال کی تحقیقات کو "نوحز فلڈ" نامی کتاب کے ذریعہ پیش کیا تھا۔ انہوں نے اس میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ بحیرہ اسود کی تشکیل اس وقت ہوئی جب برف کے پگھلتے ہوئے تودوں نے سمندر کی سطح کو بلند کر دیا، اس وقت سمندر نے آبنائے فاسفورس کے مانند خشکی کے ایک بڑے پشتہ کو تہہ آب کر دیا، ایک آسمانی طغیانی نے پشتہ کے نشیب میں واقع میٹھے پانی کی ایک جھیل کو اچانک نمکین اور کھارے پانی میں بدل دیا، یہ آسمانی لہر ہزاروں میل خشکی کے حصہ پر اس طرح پھیلی کہ ہزاروں انسان، زرعی زمین اور چرند و پرند نیست و نابود ہو گئے۔ ان سائنسدانوں نے یہ بھی قیاس آرائی کی تھی کہ ممکن ہے اسی سیلاب عظیم نے کسی اور مامن کی جانب اجتماعی ہجرت کی راہ ہموار کی ہو، سر چھپانے کی یہ جگہیں مصر، مغربی یورپ اور مرکزی ایشیا ہو سکتے ہیں، اس نظریے نے ایک جدید علمی و تحقیقی بحث کا آغاز بھی کیا تھا، مغربی محققین کو شک تھا کہ سیلاب نوحؑ کی روایت کی توثیق کسی قدرتی حادثہ سے ممکن بھی ہے، ببلیکل آرکیالوجی ریویو کے مدیر ہرشل شینکس کے بقول "بائبل کے اکثر جدید نقاد سیلاب نوحؑ کی روایت کو محض افسانہ سمجھتے ہیں" بک آف جینسس کی تاریخ تحریر ۲۳۰۰ سے ۲۰۰۰ سال پہلے کی ہے۔ جس میں سیلاب نوحؑ کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن اس سے

پہلے یعنی ۳۶۰۰ سال قبل گلگامیش والی روایت بھی ایسے ہی سیلاب کا ذکر کرتی ہے۔ ریان اور پٹ مین نے گو نوحؑ یا گلگامیش کے طوفانوں کے بحیرہ اسود سے تعلق کو ثابت نہیں کیا لیکن ان کے نظریہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اتنا خوفناک تھا کہ اس کو ہزاروں سال تک کہانیوں اور گیتوں میں یاد رکھا گیا، اب اسی موسم گرما میں غوطہ خور سائنسدانوں کی ایک جماعت نے بحیرہ اسود کی سطح سے قریب ساڑھے پانچ سو فیٹ نیچے ایک ساحلی پٹی کو دریافت کر کے ایک نہایت حیرت انگیز تحقیق پیش کر دی، انہوں نے اس تہہ آب ساحل کے کیچڑ سے ایسے صدف اور سیپیوں کے باقیات کو نکالا جو صرف میٹھے پانیوں میں ہی پائی جاتی ہیں، جدید ٹکنالوجی میں ریڈیو کاربن کے استعمال سے تجزیہ نگاروں نے بتایا کہ یہ سیپیاں قریب ساڑھے سات ہزار سال پہلے اس ساحل سے غائب ہوئیں اور پھر سات ہزار سال پہلے یہاں نمکین پانی کی مخلوقات کا آغاز ہوا، اس غوطہ خور جماعت کے سربراہ رابرٹ ڈی بلارڈ کے خیال میں "اسی پانچ سو سال کے وقفہ میں یہ سیلاب آیا اور قرائن و آثار یہی ثابت کرتے ہیں کہ یہی سیلاب نوحؑ تھا، اب صرف ہم کو خود یہ باور کرانا ہے کہ انجیل میں مذکور سیلاب نوح بھی غیر طبعی اور قطعی اچانک سیلاب تھا" اس جدید دریافت کے متعلق ہرشل شینکس نے کہا کہ سیلاب کی روایات کے اختلاف کے باوجود اگر بحیرہ اسود کی طغیانی کو سیلاب نوحؑ قرار دیا جائے تو انکار کی وجہ کیا ہے؟

بحیرہ اسود کی گہرائیوں سے ہزاروں سال قدیم سیپیوں کو نکالنے اور ان کا تجزیہ کرنے کی مہم کے ساتھ کائنات، کہکشاؤں اور ستاروں سے آگے کے جہانوں کا تجسس بھی بڑھتا جاتا ہے، چنانچہ ایک جدید تحقیق کے مطابق سائنسدانوں نے ہمارے نظام شمسی سے جدا ایک ستارہ کے اردگرد ایک اور کثیر سیارتی نظام کو دریافت کیا ہے، یہ دریافت اس لئے بھی نہایت اہم تصور کی جا رہی ہے کہ اس سے ستاروں کے آگے دوسرے اور جہانوں میں انسانی وجود کا امکان روشن نظر آتا ہے

اس دریافت کا اعلان سان فرانسسکو میں چار اداروں کے سائنسدانوں کی دو جماعتوں نے کیا، ان دونوں جماعتوں نے باہم مختلف آلات کے استعمال کے باوجود ایک دوسرے کے مشاہدوں کے نتائج کی تصدیق کی۔ قریب گیارہ سال سے معروف رصدگاہوں میں چند جدید ستاروں کے اشارات موصول ہو رہے تھے، ستارہ اپسلون اینڈ ومیڈائی اس قدر روشن ہے کہ اب دوربین کی مدد کے بغیر بھی دیکھا جا سکتا ہے، یہ ایک کہکشاں میں دنیا سے ۴۴ نوری سال یعنی ۴۲۵ ٹریلین کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور اسے نسبتاً زیادہ قریب سمجھا جاتا ہے، اس ستارہ کے نظام شمسی کی دریافت کا اولین تاثر یہ ہے کہ شاید یہ زندگی گزارنے کے لئے سازگار نہیں، اس لئے نظام شمسی کے تین سیارے نہایت حیرت انگیز ہیں، مشتری کے نرغہ کشش میں جو ملبہ ہے اس سے ان کا دائرہ تین یا چار گنا زیادہ معلوم ہوتا ہے، اس ملبہ سے کسی خام کرہ ارض کی تشکیل ممکن ہے، مشتری کی طرح یہ بھی عظیم الجثہ گیس کے گولے ہیں جن کی سطح پر پانی کا وجود نظر نہیں آتا، ان میں دو سیارے اپنے ستارے کے مدار میں ہیں، یہ بھی بتایا گیا کہ یہ روشن ترین ستارہ ہمارے سورج سے زیادہ نوعمر اور گرم ہے، اس کے سیارے زہرہ اور مریخ کی باہمی مسافتوں یعنی ،، ملین اور ۱۴۲ ملین میل کے فاصلہ پر ہیں، یہ فاصلے اتنے نہیں جہاں نظریہ کشش کا انطباق کیا جا سکے جس سے ایسے عظیم سیاروں کا وجود ممکن ہوتا ہے، ان تینوں سیاروں میں پہلا ۱۹۹۶ء میں دریافت ہوا تھا، یہ اپنے ستارے کے اس قدر قریب محو گردش ہے کہ اس کا سال صرف ، دن میں مکمل ہو جاتا ہے۔ زمین کی کہکشاں قریب ۲۰۰ بلین ستاروں پر مشتمل ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ اس کہکشاں کے جلو میں کسی نئے جرم فلکی کو دریافت کیا گیا ہے، ماہرین فلکیات کا خیال ہے کہ اب اس دریافت کے بعد اس شک کو رفع ہو جانا چاہئے کہ یہ اجرام سیارے نہیں بلکہ مدھم، دھندلے اور از کار رفتہ ستارے ہیں جن کو "مٹیالے بالشتیوں" سے تعبیر کیا جاتا ہے، ایک متشنگ سائنسداں ایلن باس نے کہا کہ یہ

دریافت اس یقین کی کلید ہے کہ ہم نے اس کے ذریعہ دوسرے نظام ہائے سیارگان کو پا لیا ہے۔ سائنسی مجلہ اسٹروفزیکل جرنل میں شائع ہونے والی ان تحقیقات نے بہرحال چند اور سوالات قائم کئے ہیں کہ ہمارے نظام شمسی نے کس طرح ان تین عظیم ترین سیاروں کو وجود بخشا، یہ بھی کہا گیا کہ اس دریافت سے تشکیل سیارگان کا نظریہ ہی منہدم ہوتا نظر آتا ہے۔ محتاط نظریہ پروفیسر ڈبرافشر کا ہے کہ اصلاً اہم انسانی تحقیق و جستجو کے ایک نئے باب کا مشاہدہ کر رہے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ ان اجرام فلکی کی ندرت اور غیر متوقع دریافت یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ہم کہاں ہیں اور ہمارا مقام اور کہاں ہو سکتا ہے، یہ سوال بہرحال انسان کو بے چین کئے جائے گا کہ ہمارا نظام شمسی آخر کس آسمانی حکمت کا نتیجہ ہے۔

اسرار کائنات میں محو انسان کا جذبہ تحقیق اپنی اصل کی دریافت کے لئے بھی سرگرم عمل ہے، مشرقی افریقہ کے مشہور زمانہ کاسہ لوسی کو انسان کے قدیم ترین مورث کا نمائندہ خیال کیا جاتا ہے، ان صفحات میں اس کا ذکر آ چکا ہے، اب مجلہ سائنس کے ایک شمارہ میں اس سے بھی قدیم انسان کے مورث اعلیٰ کے نشانات کی خبر دی گئی ہے، عدیس ابابا کے ایک تحقیقی ادارے کے سربراہ اور کیلی فورنیا یونیورسٹی کے سائنسداں ٹم وہائٹ نے افریقہ کی ایک جھیل کے کنارے ۲۵ لاکھ سال پہلے کی انسان نما مخلوق کے بعض پتھر کے اوزار تلاش کئے ہیں جن سے گوشت وغیرہ کاٹنے کا کام لیا جاتا ہے، اس سے غذا کو کاٹنے والے اوزار کے قدیم ترین استعمال کا علم بھی ہوا، ایتھوپیا کے ایک صحرا میں موجود ان اوزاروں کی دریافت کو GARHI یعنی حیرت کا نام دیا گیا، یہ مقامی بولی کا لفظ ہے، سائنسدانوں کے بقول یہ یہ دریافت صحیح جگہ اور صحیح وقت پر ہوئی، ٹم وہائٹ کے الفاظ میں یہ قدیم تر اور قدیم ترین نسل انسانی کے درمیان ربط و تعلق کو واضح کرتی ہے۔

ع۔ ص۔

وفیات

ڈاکٹر عطا کریم برق

ڈاکٹر عطا کریم برق ۴ اکتوبر کو وفات پاگئے تھے، لیکن ان پر گنجایش نہ نکلنے کی وجہ سے کچھ لکھا نہیں جاسکا تھا، وہ نہ صرف کلکتہ بلکہ ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کے ممتاز عالم و محقق اور کامیاب استاذ تھے، ان کا شمار ملک کے ان دانشوروں میں ہوتا ہے جو اپنی فارسی دانی کے لئے ہندوستان ہی نہیں ایران میں بھی مقبول تھے۔

ڈاکٹر عطا کریم مونگیر (بہار) کے ایک معزز اور تعلیم یافتہ گھرانے کے فرد تھے، ان کی ولادت ۱۹۱۸ء میں ہوئی، اردو فارسی اور دینیات کی ابتدائی تعلیم گاؤں میں ہوئی، اعلا تعلیم کے لئے کلکتہ آئے اور ۱۹۳۶ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم اے کیا، اپنے استاذ و مربی ڈاکٹر محمد اسحاق کی کوشش سے ۱۹۴۹ء میں اسکالرشپ پر ایران تشریف لے گئے جہاں سے ایم۔ لٹ کی ڈگری لے کر ۱۹۵۳ء میں ہندوستان واپس آئے اور جنوری ۱۹۵۴ء میں کلکتہ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی و فارسی سے وابستہ ہوئے اور ترقی کے مراحل طے کرتے ہوئے آسوتوش پروفیسر آف اسلامک کلچر کے عہدے تک پہنچے۔

ڈاکٹر برق نے فارسی ادبیات کی تحقیق کو اپنا موضوع بنایا اور اپنے علمی، ادبی اور تحقیقی کاموں میں ڈاکٹر محمد اسحاق کے علاوہ ڈاکٹر زبیر صدیقی جیسے فاضل سے بھی رہنمائی حاصل کی، ۱۹۶۰ء میں انھوں نے "نفوذ و آثار فارسی در زبان و ادبیات بنگالی" کے عنوان سے اپنا تحقیقی مقالہ دو جلدوں میں مکمل کیا، جس پر تہران یونیورسٹی نے ان کو ڈی لٹ کی ڈگری تفویض کی۔ ان کی دوسری کتاب

"درجستجوے احوال و آثار صفی علی شاہ" ایران سے ۱۹۷۱ء میں شایع ہوئی، اس میں صفی کے حالات اور کارناموں پر سیر حاصل بحث کی ہے، مشہور ایرانی فاضل سعید نفیسی نے اس پر عالمانہ مقدمہ تحریر کیا تھا۔ انھوں نے بہار کے ایک صوفی بزرگ شیخ آمون کے دو رسالوں تحقیق المعانی اور مطلوب لمبارک کی تدوین کی اور اے۔ سی۔ بوس کی "رباعیات خیام" کے انگریزی ترجمے کو ایڈٹ کیا۔ کورس کی متعدد کتابیں لکھیں، ان کی کئی کتابیں ابھی تک طبع نہیں ہوئی ہیں، تصانیف کے علاوہ اردو، فارسی اور انگریزی میں سینکڑوں مضامین لکھے جو ایران اور ہندوستان کے اہم جرائد و مجلات میں شایع ہوئے۔

برق صاحب کو شعر و سخن کا اچھا ذوق تھا، اردو فارسی دونوں میں داد سخن دیتے تھے، آخر میں یہ کوچہ چھوڑ دیا تھا، طالب علمی کے زمانے میں افسانے بھی لکھے تھے۔

ڈاکٹر عطا کریم کو فارسی زبان و ادب پر عبور تھا، ایران میں قیام کے زمانے میں وہاں کے دانشوروں سے ملاقات و استفادہ کرکے جدید فارسی میں بھی مشق و مہارت بہم پہنچائی۔ اس زبان سے نسبت رکھنے والے اکثر اداروں اور انجمنوں سے ان کا تعلق تھا، کل ہند انجمن استادان فارسی کے بانیوں اور سرگرم ممبروں میں تھے، ۱۹۴۶ء میں کلکتہ میں ایران سوسائٹی قائم ہوئی تو اس کے موسس ڈاکٹر محمد اسحاق کے کاموں میں ہاتھ بٹایا اور ہمیشہ اس سے گہرا تعلق رکھا، وہ اس کے تاحیات رکن ہی نہیں ایک زمانے میں صدر بھی رہے۔ ڈاکٹر محمد اسحاق کے انتقال کے بعد انڈو ایرانیکا کے فارسی سکشن کی ادارت بھی سنبھالی اور اس کے اداریے لکھے، سوسائٹی کی ذمہ داری جب خواجہ محمد یوسف کو سپرد کی گئی تو برق صاحب ان کے بھی معتمد رہے۔ ان کی فارسی خدمات کے صلے میں صدر جمہوریہ نے انہیں انعام و خلعت سے سرفراز کیا۔

ڈاکٹر عطا کریم صوم و صلوٰۃ اور اوراد و وظائف کے پابند اور بزرگان دین سے گہری

عقیدت رکھتے تھے، ان کی وصیت کے مطابق ان کی لاش کلکتہ سے بہار لائی گئی اور شیخ آمون کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

برق صاحب میں قوم و ملت کا درد بھی تھا، کلکتہ کے قومی و ملی کاموں میں شریک رہتے، ان میں شجاعت اور دلیری تھی، فسادات کے زمانے میں بڑی ہمت و جرات سے کام لیتے اور خطرات کے باوجود اپنا گھر چھوڑ کر محفوظ جگہوں میں منتقل نہ ہوتے۔

وہ ایک مرنجان مرنج اور نرم دل شخص تھے، گفتگو میں شیرینی اور حلاوت ہوتی، راقم سے جب ملتے تو اپنی محبت، شرافت اور اخلاص کا نقش دل پر چھوڑ جاتے، وضع داری، انکسار، سادگی، بے تکلفی اور دردمندی ان کی سیرت کا خاص جوہر تھا۔

کئی برس سے دماغی امراض میں مبتلا تھے، ادھر تنفس کی تکلیف بہت بڑھ گئی تھی، ہوش و حواس بجا نہ رہتے، یادداشت ختم ہوگئی تھی آخر رفیق اعلیٰ سے جا ملے، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور اعزہ و احباب کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔

مولانا عبدالرؤف رحمانی

مضمون بالا کی کتابت ہو رہی تھی کہ ۳۰ نومبر کو ملک کے مشہور عالم اور جمعیۃ اہل حدیث کے ممتاز مصنف مولانا عبدالرؤف رحمانی کی وفات کی خبر آئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وہ اس صدی کے پہلے دہے میں پیدا ہوئے تھے، ابتدائی اور کسی قدر عربی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا جو غیر منقسم ہندوستان میں جمعیۃ اہل حدیث کا سب سے بڑا اور ممتاز تعلیمی ادارہ تھا، ان کا تعلق موجودہ ضلع سدھارتھ نگر کے ایک خوش حال زمیندار گھرانے سے تھا، مگر انہوں نے گھر کے آرام و تعیش پر دینی و علمی خدمت کو ترجیح دیا اور زمین و جائداد کے جھگڑوں میں پڑنے کے بجائے علم کی اشاعت اور دین کی دعوت کا کام انجام دینے میں

مصروف ہوگئے، ان کے دیندار والد حاجی نعمت اللہ خانؒ نے اپنے پس ماندہ علاقے میں علم و دین کو فروغ دینے کے لئے ایک مدرسہ سراج العلوم قائم کیا تھا اور اسے اخراجات کے معاملے میں خود کفیل بنانے کے لئے نیپال کے ایک موضع کی اپنی آراضی اس پر وقف کردی تھی، مولانا عبدالرؤف صاحب کی محنت اور دماغ سوزی سے اسے بڑی ترقی نصیب ہوئی اور اب نیپال کے علاوہ بستی، گونڈہ، دیوریا، گورکھپور اور دوسرے مقامات کے تشنگان علم اس سے سیراب ہو رہے ہیں۔

مولانا اسی مدرسہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر تحریر و تصنیف کا کام بھی برابر انجام دیتے رہے، ان کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ۵۰ ہوگی، جن میں دلائل توحید باری تعالیٰ، صیانۃ الحدیث، نصرۃ الباری، فضائل سید الانبیاء، حقوق و معاملات، خلافت راشدہ اور ایمان و عمل وغیرہ مشہور ہیں، اکثر دینی رسالوں میں ان کے مضامین بھی برابر چھپتے رہتے تھے۔ خود ان کی سرپرستی میں جامعہ سراج العلوم سے ایک دینی ماہنامہ السراج پابندی سے شایع ہو رہا ہے۔

مولانا شیریں بیان واعظ و خطیب اور سحر بیان مقرر تھے، ملک کے مختلف خطوں سے تقریر کے لئے وہ مدعو کئے جاتے تھے اور لوگ دور دور سے ان کی تقریر سننے کے لئے آتے تھے۔ وہ اپنی علمی، تعلیمی اور دینی و دعوتی خدمات کی بنا پر ہند و نیپال ہی نہیں عالم عربی میں بھی روشناس تھے، اسی لئے نیپال کی جانب سے رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے ممبر مقرر ہوئے تھے۔

وہ اپنے اعتدال کی بنا پر ہر طبقہ و مسلک کے لوگوں سے تعلق رکھتے تھے، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ اور مولانا علی میاں مدظلہ سے ان کے مخلصانہ روابط تھے، مجھ پر بھی ان کی شفقتیں تھیں اور کبھی کبھی خط و کتابت بھی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ میں گونڈہ اور ڈومریا گنج گیا تو مولوی عبدالمبین ندوی کے ہم راہ مولانا کی خدمت میں جھنڈا نگر بھی حاضر ہوا، بڑی محبت سے پیش آئے اور بڑا اعزاز کیا، فجر بعد طلبہ و اساتذہ سے خطاب کرنے کا موقع بھی عنایت فرمایا۔

مولانا کی طویل عمر علمی، دینی اور دعوتی کاموں میں بسر ہوئی، اللہ تعالیٰ علم و دین کے اس خادم کو بہشت بریں میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین!

"ض"

ادبیات

قصیدۃ شہودیۃ

فی مدح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

از

مولانا محمد سعید مجددی *

۱۔ یا طیب زہور یا عطر ورود ‏ طوبی لزہورک بشری لورودک

۲۔ فتحت زہورا فی غصن فؤادی ‏ عطرت فضاء من عرف وجودک

۳۔ روحت قلوبا من بعد کآبۃ ‏ نزہت طباعا من حسن شہودک

۴۔ ہذبت نفوسا حسنت خصالا ‏ نورت عقولا من نور ودودک

۵۔ علمت کتابا بینت فعالا ‏ اجملت نفوسا من حسن عہودک

۶۔ ارسلت بشیرا ارسلت نذیرا ‏ فالرشد مبین من اجل وفودک

۷۔ احکمت بناء اشرقت منارا ‏ فالدین عزیز من فضل جہودک

۸۔ قلبت حیاۃ صیرت ہداۃ ‏ فالصحب نجوم من نور قعودک

۹۔ قد کنت نبیا والجد خفیا[۱] ‏ فالسعد قسیم من بعد سعودک

۱۰۔ اصبحت شفیعا للخلق جمیعا ‏ ارضیت الہا من طول سجودک[۲]

۱؎ یعنی ان کے جسد خاکی اور ہیکل بشری میں اس وقت روح بھی نہیں ڈالی گئی تھی ۲؎ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بشارت عطا فرمادی ہے کہ قیامت کے دن جبکہ تمام مخلوق باستثنائے انبیاء و صلحاء ایک (بقیہ حاشیہ ص ۴۷۵ پر)

---

* خانقاہ شریف مجددیہ، پیرگیٹ، بھوپال۔

۱۱۔ ابصرت جمالا شاہدت جلالا ‏ شافہت ملیکا فی سیر صعودک

۱۲۔ یا ذات قنوت اجمل بقنوتک ‏ ما راغ مدیح فی وصف حدودک

۱۳۔ سمیت امینا فی اللوح وارض ‏ قد صرت عمادا من صدق وعودک

۱۴۔ اکرم بقدومک انعم بظہورک ‏ احسنت الی الکل بغیثک وجودک

۱۵۔ یا رب فطیب یا رب فعطر ‏ جثمان حبیب من روح خلودک

۱۶۔ یا نور ونور ارواح بدور ‏ من آل رسولک من صحب حمودک

۱۷۔ قد زار ضریحک یا ذخر شفاعۃ ‏ فالعبد سعید من لمس عمودک

ترجمہ

۱۔ اے مہکتے ہوئے پھولوں کی خوشبو اے گلاب کے پھولوں کے عطر ‏ قابل مبارکباد ہے آپ کا چمکنا اور مسرت بخش خبر ہے آپ کا تشریف لانا۔

۲۔ میرے دل کی ٹہنی میں آپ نے پھول کھلا دئے ہیں ‏ اپنے وجود پاک کی خوشبو سے فضا مہکا دی ہے

۳۔ آپ نے دلوں کو تازگی بخشی ہے پژمردگی کے بعد ‏ اپنے ظاہر ہونے کے حسن و جمال سے آپ نے طبیعتوں کو پربہار کردیا

(بقیہ حاشیہ ص ۴۷۴) طویل عرصہ تک خوف و اضطراب میں مبتلا ہوگی اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جملہ انبیاء علیہم السلام جلال خداوندی دیکھ کر بارگاہ ایزدی میں مخلوق کے جلد حساب و کتاب ہونے اور بخشش و کرم کا معاملہ فرمائے جانے کی التجا پیش کرنے سے عذر کریں گے۔ لیکن آپ تمام اولین و آخرین کی درخواست پر رب جلیل کے سامنے سربسجود ہوکر اپنے طویل سجدے میں ناقابل بیان حمد و ثنا رالٰہی پیش کرکے احکم الحاکمین کو مخلوق کے ساتھ عفو و درگزر کا اور رحم و کرم کا معاملہ فرمانے پر اور جلد حساب و کتاب شروع کئے جانے پر راضی فرمالیں گے۔ اسی کا نام شفاعت کبریٰ ہے۔ اس شفاعت کبریٰ کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام کی شفاعتیں قبول کی جائیں گی (خلاصہ مضمون احادیث شفاعت)

۴۔ آپ نے نفوس کو مہذب کیا خصلتوں کو حسین بنادیا۔
اور اپنے بہت محبت کرنے والے پروردگار کے نور سے انسانی عقلوں کو روشن فرمایا۔

۵۔ آپ نے کتاب الٰہی کی تعلیم دی اور افعال کو مزین فرمایا۔
آپ نے حسن وفا اور مروت کے حسین وجمیل نقوش قائم فرمائے۔

۶۔ آپ رحمت اور مغفرت کی خوش خبری دینے والے اور نافرمانی کی سزا سے آگاہ کرنے والے بنا کر بھیجے گئے۔
پس آپ کے تشریف لانے سے راہِ ہدایت کھل کر سامنے آگئی۔

۷۔ آپ نے دین کی عمارت کو مضبوط کیا اور ہدایت کا مینارہ روشن فرمایا۔
پس آپ کی کوششوں کی برکت سے دین باعزت و سربلند ہے۔

۸۔ آپ نے زندگیوں کو تبدیل کر دیا اور لوگوں کو ہدایت دینے والا بنا دیا۔
آپ کی صحبت کے نور سے اصحاب کرام ہدایت کے ستارے بن گئے۔

۹۔ فیصلۂ خداوندی میں آپ اس وقت نبی کردیئے گئے تھے جبکہ جد محترم حضرت آدم علیہ السلام عالم ارواح میں پوشیدہ ہی تھے [1]۔
اس اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کو نبوت کی سعادتیں آپ کی سعادت کے بعد تقسیم کی گئی ہیں۔

۱۰۔ آپ روزِ حشر تمام مخلوق کے لئے شفاعت کرنے والے منتخب ہوئے ہیں
آپ نے اپنے طویل سجدہ سے پروردگارِ عالم کو راضی کرلیا ہے۔

۱۱۔ آپ نے معراج شریف میں جمال خداوندی دیکھا آپ نے جلالِ الٰہی کا بھی مشاہدہ کیا۔
آپ نے سفر معراج میں مالکِ ارض وسما سے بالمشافہ گفتگو فرمائی۔

۱۲۔ اے باادب ذاتِ عالی شب معراج میں رب کریم کے حضور کتنا حسین وجمیل آپ کا ادب تھا۔
کہ کلام الٰہی "مَا زَاغَ الْبَصَرُ" آپ کے حدودِ ادب کی تعریف میں نازل ہوا۔

۱۳۔ آپ کا اسم گرامی لوح محفوظ میں بھی اور دنیا میں بھی امین رکھا گیا۔
آپ کی ذاتِ عالی اپنے وعدوں کی سچائی کی وجہ سے سب کے لئے قابلِ اعتماد ہوئی۔

۱۴۔ آپ کا تشریف لانا کس قدر باعزت ہے اور آپ کا ظاہر ہونا کس قدر نعمت والا ہے
آپ نے سبھی کے ساتھ احسان فرمایا، اپنے دہنِ مبارک سے یعنی اپنے پیغام اور کلام سے اور اپنی بخشش اور عطا سے۔

۱۵۔ اے پروردگار پس خوشبوئیں مہکا دیجئے اور معطر کر دیجئے۔
حبیب پاک کے جسم اطہر کو اپنی ہمیشگی والی خوشبودار رحمت کی ہواؤں سے۔

۱۶۔ اے نور والے خدائے پاک ماہتابوں کی ارواح پر بھی نور افشانی فرمائیے۔
یعنی آپ کے رسول کی آل پر آپ کے تعریف کئے ہوئے نبی کے اصحاب پر۔

۱۷۔ اے مخزن شفاعت آپ کی قبر مبارک کی زیارت کا شرف اس بندۂ عاصی کو حاصل ہوا ہے۔
یہ بندہ۔ یہ کمترین غلام خوش نصیب ہوا ہے آپ کی مقدس جالی یا آپ کے روضۂ اطہر کے مبارک ستون کو بوسہ دے کر۔

نعت

از جناب اقبال عظیم۔ کراچی۔

نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے — میرے ماتھے پہ پسینہ ہے ثنا سے پہلے
نور کا نام نہ تھا عالمِ امکاں میں کہیں — جلوۂ صاحبِ لولاک لما سے پہلے
ان کا در وہ درِ دولت ہے جہاں شام و سحر — بھیک ملتی ہے فقیروں کو صدا سے پہلے
میری آنکھیں مرا رستہ جو نہ روکیں اقبال — میں مدینے میں ہوں راہ نما سے پہلے

مطبوعات جدیدہ

مشمولات قرآن عظیم از جناب میجر جنرل محمد نواز ملک، بڑی تقطیع، عمدہ کاغذ، کتابت و طباعت مناسب، صفحات ۹۲۵، مجلد مع گرد پوش، ہدیہ ۲۵۰ روپے، پتہ: ادارہ فکر فروغ قرآن، ۱۱۷ ویسٹرج ۱، پشاور روڈ، راولپنڈی، پاکستان۔

قرآن مجید میں جابجا ایک مضمون کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا، جن کی یکجائی کا خیال علامہ اقبال کو ہوا تھا، لائق مصنف نے اسی خیال کو برسوں کی محنت اور جدوجہد کے بعد عملاً اس طرح انجام دیا کہ ساڑھے تیرہ سو موضوعات قائم کر کے ان کے متعلق تمام آیتوں کی نشاندہی ایک جگہ کر دی جو یقیناً بڑی کدوکاوش کا نتیجہ ہے، قرآن مجید کے اس اشاریہ یا کلید کے موضوعات کو حروف تہجی، حروف مادہ اور شخصیات و واقعات کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس فہرست کا آغاز قدرتاً اللہ کے لفظ سے ہوا ہے، اس کے متعلقات میں اسمار کلمات، مشیت، آیات دبینات، قوانین ومعجزات، ارادہ واختیار، علم واذن وغیرہ سے متعلق ہر آیت کی نشاندہی اس طرح کی گئی ہے کہ ذرا سے وقت میں ان کے بارے میں تمام آیتوں کا علم ہو جاتا ہے، یہی دوسرے تمام موضوعات کا حال ہے، اس اشاریہ کی فہرست پچاس صفحات میں ہے، کتاب وصاحب کتاب کا مبسوط تعارف بریگیڈیر جناب گلزار احمد کے قلم سے ہے، البتہ یہ کہنا ضروری نہیں کہ "خدا کی کتاب روایات اور ہماری تفاسیر کی محتاج نہیں یا اہل علم وہ ہیں جو علوم حاضرہ سے بہرہ مند ہیں"۔ "سپاہی کی زندگی اور قرآن مجید سے عشق کو آگ اور پانی" کے اجتماع ضدین سے تعبیر کرنا بھی مبالغہ ہے، مرد مجاہد کا جامع تصور یہی ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں

قرآن مجید ہو۔ یہ اس زمانے کا کوئی امتیاز نہیں کہ ایک فوجی کو کتاب الٰہی کی خدمت کی توفیق ہوئی، قدیم زمانے میں ایسے ہی جامع کمالات اور مجمع البحرین افراد پیدا ہوتے تھے۔ کتابت اور پروف کی تصحیح پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ اغلاط نامہ کے باوجود بھی خاصی غلطیاں رہ گئی ہیں، آیات و الفاظ قرآنی کی صحت و درستگی ضروری تھی۔

سید الطاف علی بریلوی حیات و خدمات از جناب سید مصطفیٰ علی بریلوی، متوسط تقطیع، کاغذ و کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۴۸۰، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، اے جے ۱۰/۴۵، سید الطاف علی بریلوی روڈ، ناظم آباد، کراچی۔ پاکستان۔

جناب سید الطاف علی بریلوی کی زندگی قوم کی اصلاح و تعلیم کی فکر و ترقی کے لئے وقف رہی، علی گڑھ میں ان کی تعلیمی خدمات سے لوگ اچھی طرح واقف ہیں، پاکستان منتقل ہونے کے بعد انہوں نے پاکستان میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی اور اس کا آرگن "العلم" کے نام سے جاری کیا، کراچی کے دوسرے علمی و تعلیمی اداروں سے بھی ان کا ربط ضبط استوار رہا، فاضل مصنف نے زیر نظر کتاب لکھ کر اپنے قابل فخر عم محترم کی روح کو شاداں کرنے کے علاوہ قومی تاریخ کے ایک اہم فریضہ کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے، یہ کتاب ۱۹۹۲ء میں طبع ہوئی، لیکن ہم کو یہ بڑی تاخیر سے موصول ہوئی تاہم اس کی افادیت برقرار ہے، گو یہ تقسیم سے پہلے کے حالات کو محیط ہے، تاہم آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، واردھا تعلیمی اسکیم، ودیا مندر اسکیم، انجمن مصنفین، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، میڈیکل کالج علی گڑھ، انجمن ترقی اردو وغیرہ کی مفصل روداد کی وجہ سے یہ اس صدی کے نصف اول کے مسلمانوں کی تعلیمی تاریخ بن گئی ہے، خصوصاً بیت المصنف اور میڈیکل کالج علی گڑھ کی کئی بھولی بسری یادیں اس سے تازہ ہو گئی ہیں، واردھا تعلیمی اسکیم کے متعلق سید بریلوی مرحوم نے یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ "اس اسکیم کا منشاء اردو زبان کی ترقی کو روکنے اور

محدود کرتے اور اردو رسم الخط کو مٹانے کا ہے؛ ہندوستانی زبان کا نعرہ محض ایک فریب ہے"۔ کتاب کے آغاز میں روہیل کھنڈ کی اسلامی تاریخ اور اس علاقہ کے قدیم مدارس کا باب بھی عمدہ ہے، بریلوی مرحوم کے مولد و منشا کے ذکر میں اس علاقہ کی تہذیبی اور سماجی زندگی کی بڑی دلکش اور موثر تصویر کشی کی گئی ہے کتاب ہر صاحب ذوق کے کتب خانے کی زینت بننے کے لائق ہے۔

مصر میں مقالہ نگاری کا ارتقاء (۱۸۷۵-۱۹۵۰) از ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی

متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و کتابت و طباعت، صفحات ۳۲۷، قیمت ۷۵ روپے، پتہ: ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی، شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲۔

عربی زبان و ادب اور علوم و فنون کو فروغ دینے میں تمام عرب ملکوں میں مصر کو خاص مزیت حاصل ہے، دور جدید میں صحافت کی ابتدا ہوئی تو اس میں بھی مصر کو سبقت حاصل ہوئی اور آج بھی وہ عربی صحافت میں سب سے نمایاں اور ممتاز ہے، اسی صحیفہ نگاری نے جدید مقالہ نگاری کی راہیں ہموار کیں، اس کتاب میں اسی تعلق سے جمال الدین افغانی سے طہ حسین و عباس محمد العقاد تک نو ایسے اہل قلم کی زندگی اور علمی مشاغل کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے عربی میں مقالہ نگاری کے فن کو نئی جہتیں اور رفعتیں بخشیں، ان میں شیخ محمد عبدہ، سید رشید رضا اور احمد لطفی و احمد امین اور زیات و رافعی جیسے مشاہیر شامل ہیں، لائق مصنف نے اصل عربی مراجع سے استفادہ کر کے مصر کی اس ادبی تاریخ کے پچھتر سالوں کے نقوش محنت و سلیقے سے اجاگر کئے ہیں، البتہ زبان اور خود اپنے خیالات و تحفظات کے اظہار میں خاطر خواہ توجہ کی کمی محسوس ہوتی ہے، خیالات کا تضاد بھی نظر آتا ہے۔ زبان و بیان کی فروگزاشتیں متعدد ہیں۔ عربی اقتباسات جن کو نمونے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے بغیر ترجمے کے ہیں اس کے باوجود اپنے موضوع پر یہ اچھی کتاب عربی زبان و ادب کے قدردانوں خصوصاً طلبہ کے لئے مفید و کارآمد ثابت ہوگی۔

ع۔ص۔

تصانیف مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم

☆ اسوہ صحابہؓ: (حصہ اول) اس میں صحابہ کرامؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق و معاشرت کی تصویر پیش کی گئی ہے۔ قیمت۔ ۵۰/روپے

☆ اسوہ صحابہؓ: (حصہ دوم) اس میں صحابہ کرامؓ کے سیاسی، انتظامی اور علمی کارناموں کی تفصیل دی گئی ہے۔ قیمت۔ ۵۶/روپے

☆ اسوہ صحابیاتؓ: اس میں صحابیات کے مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ قیمت۔ ۲۰/روپے

☆ سیرت عمر بن عبدالعزیز: اس میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مفصل سوانح اور ان کے تجدیدی کارناموں کا ذکر ہے۔ قیمت۔ ۳۲/روپے

☆ امام رازی: امام فخرالدین رازی کے حالات زندگی اور ان کے نظریات و خیالات کی مفصل تشریح کی گئی ہے۔ قیمت۔ ۴۵/روپے

☆ حکمائے اسلام (حصہ اول) اس میں یونانی فلسفہ کے مآخذ، مسلمانوں میں علوم عقلیہ کی اشاعت اور پانچویں صدی تک کے اکابر حکمائے اسلام کے حالات، علمی خدمات اور فلسفیانہ نظریات کی تفصیل ہے۔ قیمت۔ ۵۰/روپے

☆ حکمائے اسلام (حصہ دوم) متوسطین و متاخرین حکمائے اسلام کے حالات پر مشتمل ہے۔ قیمت۔ ۴۰/روپے

☆ شعر الہند (حصہ اول) قدماء سے دور جدید تک کی اردو شاعری کے تغیر کی تفصیل اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ۔ قیمت۔ ۹۳/روپے

☆ شعر الہند (حصہ دوم) اردو شاعری کے تمام اصناف غزل، قصیدہ مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے۔ قیمت۔ ۷۵/روپے

☆ اقبال کامل: ڈاکٹر اقبال کی مفصل سوانح اور ان کے فلسفیانہ و شاعرانہ کارناموں کی تفصیل کی گئی ہے۔ قیمت۔ ۸۰/روپے

☆ تاریخ فقہ اسلامی: تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں فقہ اسلامی کے ہر دور کی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں۔ قیمت۔ ۱۲۵/روپے

☆ انقلاب الامم: سر تطور الامم کا انشاء پردازانہ ترجمہ۔ (زیر طبع)

☆ مقالات عبدالسلام: مولانا مرحوم کے اہم ادبی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ۔ قیمت۔ ۷۰/روپے